کلامِ دبیر

جلد ۵

مجتہدِ نظم مرزا دبیر

([illegible])

تحقیق و تصنیف

ڈاکٹر سید تقی عابدی

کلام دبیرؔ (جلد اوّل)

مجتہدِ نظم مرزا دبیرؔ

(حیات، شخصیت اور فن)

تحقیق اور تصنیف

ڈاکٹر سیّد تقیؔ عابدی

اظہار سنز

۱۹۔ اردو بازار، لاہور۔ پاکستان

۲۰۰۴ء

نام کتاب	:	مجتہدِ نظم مرزا دبیر
تحقیق اور تصنیف	:	ڈاکٹر سید تقی عابدی
ناشر	:	سید محمد علی معظم رضوی
		اظہار سنز، ۱۹۔اردو بازار، لاہور۔پاکستان
		فون: ۷۲۳۰۱۵۰
طابع	:	سید اظہار الحسن رضوی
مطبع	:	اظہار سنز پرنٹرز، لاہور فون: ۷۲۲۰۷۶۱
قیمت	:	۱۹۵/۔ روپے

فہرست

رو میں ہے رخشِ عمر

نام	:	سید تقی حسن عابدی
ادبی نام	:	تقی عابدی
تخلص	:	تقی
والد کا نام	:	سید سبط نبی عابدی منصف (مرحوم)
والدہ کا نام	:	سنجیدہ بیگم (مرحومہ)
تاریخ پیدائش	:	یکم مارچ ۱۹۵۲ء
مقام پیدائش	:	دہلی (یوپی) ہندوستان
تعلیم	:	ایم بی بی ایس (حیدرآباد، انڈیا) ایم ایس (برطانیہ) ایف سی اے پی (یونائیٹڈ اسٹیٹ آف امریکا) ایف آر سی پی (کینیڈا)
پیشہ	:	طبابت
ذوق	:	شاعری اور ادبی تحقیق
شوق	:	مطالعہ اور تصنیف
قیام	:	ہندوستان، ایران، برطانیہ، نیویارک اور کینیڈا
شریک حیات	:	گیتی
اولاد	:	دو بیٹیاں (معصوما اور رویا)، دو بیٹے (رضا اور مرتضیٰ)
تصانیف	:	شہید (۱۹۸۲ء) جوشِ مودت (۱۹۹۹ء) گلشنِ رویا (۲۰۰۰ء) رموز شاعری (۲۰۰۰ء) تجزیہ یادگار انیس (۲۰۰۲) عروس سخن (۲۰۰۰ء) اقبال کے عرفانی زاویے (۲۰۰۱ء)۔ انشاءاللہ خان انشا (۲۰۰۱) اظہار حق (۲۰۰۳) طالع مہر (۲۰۰۳) سلکِ سلام دبیر (۲۰۰۳)
زیر تالیف:		ذکر دُر باران تجزیہ شکوہ جواب شکوہ دبیر کی مثنویات۔ رباعیات دبیر

مرزا سلامت علی دبیرؔ



صحت مری تشخیص سے ہے نظم کے فن کی
مانندِ قلم ہاتھ میں ہے نبض سخن کی

شجرہ مرزا سلامت علی دبیر (مرحوم)

- ملا ہاشم شیرازی نثار برادر حقیقی ملا اہلی شیرازی
  - مرزا محمد رفیع المتخلص بہ رفیع
    - مرزا غلام محمد
      - مرزا غلام حسین
        - دختر (زوجۂ میر ببر علی بجنوری)
        - دختر (زوجہ حکیم محمد حسین عزیز) لاولد
        - مرزا غلام محمد نذیرؔ — وفات ۱۲۹۱ھ
          - مرزا محمد عباس سفیر
          - مرزا محمد تقی
          - مرزا محمد کاظم
          - دختر
        - مرزا سلامت علی دبیرؔ — ولادت ۱۱ جمادی الاول ۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء — وفات ۳۰ محرم ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء
          - دختر — زوجہ میر بادشاہ علی بقاؔ — پسر میر وزیر علی صباؔ
          - مرزا محمد جعفر اوجؔ — ولادت ۶ جمادی الاول ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۳ء — وفات ۲۵ ر جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۷ء
            - مرزا محمد طاہر رفیعؔ
              - مرزا محمد ذاکر غمیں
              - کنیز اصغر بیگم
              - مرزا محمد صادق
                - مرزا محمد گوہر دبیریؔ (حیات۔ مقیم لکھنؤ)
            - دختر — زوجہ نواب حسن علی خاں عرف اچھے صاحب
          - مرزا محمد ہادی عطاردؔ — ولادت ۵ ر شعبان ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء — وفات جمادی الاول ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء
            - مرزا عبدالحسین شفیع عرف ابو صاحب
            - دختر — زوجہ مرزا طاہر رفیعؔ

تعارفِ دبیرؔ

شاکر ہو دبیرؔ آلِ نبیؐ کی ہے یہ تائید
تازہ ہے تمامی سخن اور تازہ ہے تمہید

وزدانِ مضامیں پہ نہ کر منع کی تاکید
تو ''مجتہدِ نظم'' ہے، فرض اُن پہ ہے تقلید

انتساب

لسانِ العصر، نابغۂ روزگار، عادل تنقید نگار

مرحوم مفتی میر عبّاس صاحب شوستری لکھنوی

کے نام

جن کا فیصلہ انیسؔ اور دبیرؔ پر تا قیامت باقی رہے گا:

''میر انیسؔ کا کلام فصیح و شیریں ہے، مرزا دبیرؔ کا کلام دقیق و نمکین ہے، پس جب ہر ایک کا ذائقہ مختلف اور ہر شخص کا مذاق مختلف ہے، تو ایک دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔''

مرزا دبیر کا زندگی نامہ

نام : مرزا سلامت علی

تخلص: دبیر

عطارد (غیر منقوط کلام میں عطارد تخلص استعمال کیا ہے)

میر ضمیر نے تخلص دبیر تجویز کیا اور کہا "بر دبیرانِ روشن ضمیر مخفی و محجب نماند" اور مسکرا کر بولے: صاحبزادے!" میں نے اپنے نفس و نام پر تم کو مقدم کر دیا۔" ثابت لکھنوی کہتے ہیں کہ "میں نے بہت سے تذکرے دیکھے۔ ایک تخلص کے کئی شاعر نظر آئے مگر دبیر تخلص، مرزا صاحب سے پہلے کسی شاعر کا، مجھے نظر نہیں آیا۔" منشی مظفر علی خان اسیر کہتے ہیں: ۔

شاعرانِ حال کیا مضمونِ نو باندھیں اسیر
ڈھونڈتے ہیں، یہ تخلص بھی کہیں ملتا نہیں

حکایت: گیارہ بارہ برس کی عمر میں دبیر کے والد نے میر ضمیر مرحوم کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ یہ بندہ زادہ ہے، اس کو مدّاحیِ اہلِ بیت کا شوق ہے۔ میر ضمیر نے فرمایا: کچھ سناؤ! مرزا صاحب نے یہ قطعہ پڑھا: ۔

کسی کا کندہ، نگینے پہ نام ہوتا ہے
کسی کی عمر کا لبریز جام ہوتا ہے
عجب سرا ہے یہ دنیا کہ جس میں شام و سحر
کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے

یہ سن کر میر ضمیر اور تمام حاضرین پھڑک گئے۔ کوئی صاحب بول اُٹھے: "صاحب زادے! ماشاء اللہ! چشم بد دُور! بلا کی طبیعت پائی ہے۔"

سیہ: جناب مفتی صاحب کے روبرو "انیسیے" اور "دبیریے" جھگڑ رہے تھے۔ ہر شخص اپنے ممدوح کے کلام کو پڑھ کر اُس کی خوبیاں بیان کر کے اسے دوسرے پر ترجیح دے رہا تھا "دبیریے" نے کہا اور باتیں تو چھوڑیں، ایک تخلص ہی کو دیکھیے! کس قدر عظمت اور برکت نمایاں ہے۔ اُس کے وزن پر کس کثرت سے تخلص ہیں اور اسی کثرت سے مرزا صاحب کے شاگرد بھی ہیں: مشیر، منیر، مطیر، نظیر، سفیر، قدیر، ظہیر، وزیر، امیر، خبیر، نصیر، صغیر، حقیر، فقیر، کبیر وغیرہ۔ وہاں کیا ہے؟ ڈھاک کے تین پات! انیس، نفیس، سلیس آگے بڑھے تو جلیس۔ مفتی صاحب نے کہا تخلص تو اُدھر بھی بہت ہو سکتے ہیں، پھر سنانا شروع کیا: انیس، بیس، اکیس، بائیس......اڑتالیس تک۔ حاضرین یہ سن کر بے اختیار ہنسے اور جھگڑا ختم ہوا۔

تاریخ ولادت: ۱۱۔ جمادی الاولیٰ ۱۲۱۸ ہجری ("بخت دبیر" مادۂ تاریخ ولادت: ۱۲۱۸ھ ہے) مطابق ۲۹ اگست ۱۸۰۳ عیسوی۔

مقامِ ولادت: دہلی، محلہ بلی ماراں متصل لال ڈگی۔

والد: مرزا غلام حسین۔

دادا: مرزا غلام محمد۔

جد: مُلّا ہاشم شیرازی نثار، جو شیخ محمد اہلی شیرازی کے برادر حقیقی تھے۔

نوٹ: ملّا اہلی شیرازی، ایران کے مشہور شاعر تھے۔ ان کی مثنوی "سحر حلال" ایران میں مقبول تھی۔ اس مثنوی کی صنعت گری یہ ہے کہ اس کو دو بحروں میں پڑھ سکتے ہیں اور ہر شعر میں دو قافیے ہیں، یعنی یہ مثنوی ذو بحرین اور ذو قافیتین مع التجنیس ہے۔ اس مثنوی کی دو بحریں یہ ہیں:

(۱)	بحرِ رمل مُسدّس محذوف	فاعلاتن	فاعلاتن	فاعلن
(۲)	بحر سریع مُسدّس مطوی	مفتعلن	مفتعلن	فاعلن

مثنوی "سحرِ حلال" کے دو شعر نمونے کے طور پر پیش ہیں:

اے ہمہ عالم بر تو بی شکوہ　　رفعتِ خاک درتو بیشِ کوہ

ساقی ازاں شیشۂ منصور دم　　در رگ و در ریشۂ من صور دم

ملا محمد اہلی نے چوراسی (۸۴) سال زندگی کی اور شہر شیراز میں حافظ شیرازی کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کی تاریخ وفات ۹۴۲ ہجری مطابق ۱۵۳۵ عیسوی ہے۔

ملا میر کی نے تاریخِ وفات کہی: ـ

سالِ فوتش ز خرد جستم و گفت

بادشاہِ شعرا بود اہلی (۹۴۲ ہجری)

مرزا دبیر نے اپنی ایک رباعی میں اپنے جد کی تصنیف ''سحرِ حلال'' پر یوں فخر کیا ہے!

کب غیر کے مضموں پہ خیال اپنا ہے الہام خدا شریک حال اپنا ہے

اک یہ بھی ہے اعجاز ائمہ کا دبیر! دنیا میں سخن ''سحرِ حلال'' اپنا ہے

شہید حضرت قاضی سید نور اللہ شوستری نے اپنی تصنیف ''مجالس المومنین'' میں اہلی کا تذکرہ اکابرِ شعراء عجم میں کیا۔ اہلی شیرازی کا دیوانِ غزلیات بھی یادگار ہے۔ مصنف ''المیزان'' سیّد نظیر الحسن فوق لکھتے ہیں کہ مرزا دبیر کے جد مرزا ہاشم شیرازی، فنِ انشا پردازی اور حسنِ تحریر مراسلات و مکاتبات منشیانہ میں وحید عصر، منشی کامل اور نثار ماہر تھے۔

شریکِ حیات: مرزا دبیر کی بیوی اُردو کے عظیم المرتبت شاعر سیّد انشاء اللہ خاں انشا کی حقیقی نواسی اور سید معصوم علی کی بیٹی تھی۔

مرزا دبیر کے فرزند اوج نے اس پر اپنے ایک شعر میں فخر بھی کیا ہے:

نانا ہیں مرے سیّدِ عالی نسب انشا

عاجز ہے خرد، اُن کے فضائل ہوں کب انشا

اولاد: ایک بیٹی اور دو بیٹے۔

الف: بیٹی سب سے بڑی تھی جو میر وزیر علی صبا کے فرزند میر بادشاہ علی بقا کی شریکِ حیات ہوئی۔ کہتے ہیں دبیر کے غزل کے دیوان، بقا اپنے گھر لے گئے، چنانچہ جب ان کے گھر آگ لگی، دیوان خاکستر ہو گئے۔ بقا غزل، سلام اور مرثیہ بھی کہتے تھے۔ ان کا کچھ کلام ''دفترِ ماتم'' کی جلدوں میں نظر آتا ہے۔ یہ مرزا صاحب کے ہمراہ عظیم آباد بھی تشریف لے گئے اور دبیر کی مجلسوں میں پیش خوانی بھی کرتے تھے۔

ب: بڑے بیٹے مرزا محمد جعفر اوج۔ ولادت ۱۸۵۳ء

وفات ۱۹۱۷ء

نوٹ: مرزا اوج اعلیٰ پائے کے مرثیہ نگار شاعر تھے۔ مرزا اوج شاعری کے مجتہد تھے۔ انھوں نے مختلف نئے تجربات بھی کیے ان کے مراثی میں انشا، دبیر اور انیس: تینوں کے محاسن ملتے ہیں۔ ''معراج الکلام'' میں

شبلی نعمانی کا یہ قول نقل ہے: ''انصاف یہ ہے کہ آج مرزا اوج سے بڑھ کر نہ کوئی شاعر ہے، نہ مرثیہ گو۔''
مرزا اوج نے نوجوانی ہی میں ''مقیاس الاشعار'' تحریر کی، جو فنِ شاعری و عروض قافیہ و تاریخ گوئی کی بلند معیار کتاب ہے، جس کے متعلق داغ دہلوی نے فرمایا تھا ''آج علمِ عروض کا ماہر، مرزا اوج سے بڑھ کر کوئی ہندوستان میں نہیں۔ ۱۹۰۸ء میں مرزا اوج نے ''قواعدِ حامدیہ'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا جو اُردو رسم الخط کی اصلاح اور تسہیل سے متعلق تھا۔ انجمن ترقی اُردو نیز مختلف افراد نے جو اُردو املا میں اصلاحیں تجویز کیں، ان کا محرک یہی رسالہ تھا۔ حیدرآباد دکن کی مجلسوں میں آصف سادس میر محبوب علی خان نظامِ دکن مسلسل شریک ہوتے تھے۔ نظامِ دکن کا سلام مرزا اوج نے اصلاح دے کر پڑھا تو نظامِ دکن نے باآوازِ بلند کہا: ''مرزا صاحب! آپ واقعی یکتائے فن ہیں۔'' مرزا اوج نے چھیاسٹھ (۶۶) سال کی عمر میں انتقال کیا اور اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

ج: چھوٹے بیٹے مرزا محمد ہادی حسین عطارد تھے۔ ولادت: ۱۸۵۶ء
وفات: ۱۸۷۳ء

نوٹ: مرزا محمد ہادی حسین عطارد عین شباب کے عالم میں (۲۰) برس کی عمر میں ۱۲۹۰ ہجری میں یکایک تخمہ (gasteroentritis) کے مرض میں مبتلا ہو کر انتقال کر گئے۔ مبتدی شاعر تھے سلام کہتے تھے۔ ان کے سلام ''دفترِ ماتم'' کی جلدوں میں شائع ہوئے ہیں۔ مولوی علی میاں کامل نے تاریخ وفات کہی: ع: شد عطارد مکینِ بیتِ نعیم: ۱۲۹۰ ہجری
عطارد کی موت کا بڑا اثر دبیر پر ہوا۔ آنکھوں کی بینائی نورِ نظر کے ساتھ جاتی رہی۔ رات میں جو کچھ گھنٹے سوتے، وہ بھی نورِ نظر کے داغ کی نذر ہو گئے۔

بھائی بہن: ایک بڑے بھائی اور دو بڑی بہنیں۔ مرزا صاحب سب سے چھوٹے تھے۔
بڑے بھائی مرزا غلام محمد نظیر، وفات ۱۲۹۱ ہجری۔ اگرچہ نظیر عمر میں بڑے تھے لیکن مرزا دبیر کے تقدس و کمال کے سبب سے مرزا صاحب کا ایسا ادب کرتے تھے جیسے چھوٹے بھائی کرتے ہیں۔ ثابت لکھنوی لکھتے ہیں:
نظیر کے سیکڑوں سلام اور سو سے زیادہ مرثیے ہیں۔
راقم کو نظیر کے ۲۷ سلام ''دفترِ ماتم'' کی سولھویں، سترھویں اور اٹھارویں جلدوں میں ملے۔ نظیر کا ایک مشہور مرثیہ: ''ہر آہ علم ہے یہ عزاخانہ ہے کس کا'' نول کشور کی جلدِ دبیر میں شائع ہوا ہے۔ نظیر کے انتقال پر

دبیرؔ نے انیسؔ کے قطعہ تاریخی میں اپنی قلبی کیفیت کا اظہار یوں کیا ہے:

وا دریغا عینی و دینی دو بازویم شکست
بے نظیر اوّل شدم امسال و آخر بے انیسؔ

تعلیم و تربیت: مرزا دبیرؔ نے تمام کتب رائج درسیہ عربی اور فارسی باقاعدہ پڑھی تھیں۔ جملہ علومِ معقول اور منقول میں مہارت حاصل تھی۔ پروفیسر حامد حسن قادری کہتے ہیں: ''مرزا دبیر نے عربی اور فارسی کی تعلیم فضیلت کی حد تک حاصل کی تھی۔'' ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی ''دبستانِ دبیرؔ'' میں لکھتے ہیں: ''مرزا صاحب کی علمی حیثیت بہت بلند تھی۔ عربی و فارسی میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ تمام علومِ عقلی اور نقلی پر حاوی تھے اور طبقہ علما میں شمار کیے جاتے تھے۔'' دبیر چونکہ بہت ذہین تھے، اِس لیے اٹھارہ انیس سال میں فارغ التحصیل ہو گئے۔

اساتذہ: (۱) مولوی غلام ضامن صاحب فاضلِ دوراں سے ابتدائے شباب میں صرف و نحو، منطق، ادب اور حکمت کا درس لیا۔

(۲) مولوی میر کاظم علی صاحب عالمِ دین سے دینیات، تفسیر و اصول و حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی۔

(۳) ملّا مہدی صاحب مازندرانی اور مولوی فدا علی صاحب اخباری کے آگے زانوے تلمذ تہ کیا۔

(۴) شاعری میں تقریباً دس سال میر ضمیرؔ کی شاگردی کی۔ ضمیرؔ لکھنوی کو خود اس پر فخر تھا کہ وہ دبیرؔ کے استاد ہیں۔ اس مضمون کو انھوں نے اپنی ایک رباعی میں یوں پیش کیا ہے:

پہلے تو یہ شہرہ تھا ضمیرؔ آیا ہے
اب کہتے ہیں استادِ دبیرؔ آیا ہے
کردی مری پیری نے مگر قدر سوا
اب قول یہی ہے سب کا پیر آیا ہے

(۵) مرزا دبیر کی اوسط عمر میں میر عشقؔ مرحوم نے بھی مرثیوں میں مشاق بہم پہنچائی ہے، اس کا اعتراف شادؔ عظیم آبادی نے کیا ہے۔

مذہب: مسلمان۔ (شیعہ اثنا عشری محتاط اُصولی)

نوٹ: ثابتؔ لکھنوی ''حیاتِ دبیرؔ'' حصّہ اوّل میں لکھتے ہیں: ''از بس کہ مرزا دبیر کے کئی استاد اخباری تھے، بعض حضرات مرزا صاحب کو اخباری مسلک سمجھتے تھے مگر مرزا صاحب ایک محتاط اصولی شیعہ تھے۔''

شغل: شاعری اور ادب (حکمت سے دل چسپی رکھتے تھے)۔

شکل وصورت: ثابت لکھنوی اور شاد عظیم آبادی نے دبیر کو بڑھاپے میں دیکھا تھا۔ ثابت لکھنوی کہتے ہیں: "پکا سانولا رنگ، کسی قدر کشیدہ قامت، ماتھا بڑا، کثرتِ سجود سے ماتھے پر سجدے کا نشان، آنکھیں بڑی بڑی، گول دُہرا ڈیل، دو انگشت ڈاڑھی، بڑی پاٹ دار آواز۔"

شاد عظیم آبادی "پیغمبرانِ سخن" میں لکھتے ہیں: "مرزا دبیر خوب صورت نہ تھے۔ رنگ بہت کالا تو نہ تھا مگر سانولا بھی نہیں کہہ سکتے۔ آنکھیں بڑی اور گول تھیں۔ ان میں سرخی کے ڈورے، ہونٹ بڑے تھے، پیشانی اونچی تھی، سر کے بال نہایت کم اور چھدرے تھے، ڈاڑھی بالکل مورچہ پر تھی، خط بھی بنتا تھا، مونچھیں کسی قدر نمایاں تھیں مگر کتری ہوئی، اس پر مازو کا خضاب، قد وقامت متوسط، نہ بہت جسیم نہ دُبلے تھے۔"

تصویر: مرزا دبیر کی جو تصویر مشہور ہے، وہ مجہول ہے لیکن مرزا صاحب کے بیان شدہ حلیے کے بہت قریب ہے۔ لب و ناک، نقشہ اِس تصویر کا، مرزا اوج اور مرزا رفیع سے ملتا جلتا ہے۔ تصویر کے بارے میں مؤلفِ "حیاتِ دبیر" لکھتے ہیں: "میں نے کوشش بلیغ کی کہ لکھنؤ میں یا کہیں، مرزا صاحب کی قلمی یا عکسی تصویر مل جائے مگر ناکام رہا۔ مرزا اوج صاحب اور بعض معتبر اصحاب کی زبانی معلوم ہوا کہ فوٹو کا مسئلہ علمائے اسلام میں مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے مرزا صاحب نے اپنی تصویر نہیں کھچوائی، حالانکہ شاہی فوٹو گرافر مشکور الدولہ مرحوم، مرزا صاحب مرحوم کے فدائی شاگرد نے بہت چاہا مگر مرزا صاحب تصویر کھچوانے پر راضی نہ ہوئے، یہ ممکن ہے کہ کسی نے کلکتہ، پٹنہ، بنارس۔ آرہ، کھجوہ وغیرہ میں ان کی بغیر اجازت فوٹو لے لیا ہو۔"

نواب حامد علی خاں صاحب بیرسٹرایٹ لا لکھنوی نے تقریباً تمام ہندوستان کے مشہور اُردو اخباروں میں خطوط شائع فرمائے اور اپنی جیب سے تصویر لانے والے کو پچاس روپیہ دینا چاہا مگر تصویر دستیاب نہ ہوئی۔

مرزا دبیر کے مرنے کے چند سال بعد ایک یورپ کے علم دوست نے مرزا صاحب کی تصویر تلاش کی لیکن تصویر اُس کو بھی نہ ملی۔

بہر حال، ان تمام اشکالات اور حقائق کے باوجود ہم مرزا دبیر کی مشہور تصویر ہی کو ان کی قلمی یا عکسی تصویر کا متبادل سمجھنے پر مجبور ہیں۔

آواز: مرزا دبیر کی آواز پاٹ دار اور پُر تاثر تھی۔ ان کی آواز میں گداز شامل تھا لیکن حاسدین، مرزا دبیر کی آواز کو بھی نام رکھتے تھے، چنانچہ دبیر اپنی ایک رباعی میں کہتے ہیں:

جب شاہِ نجف معین و ناصر ہوئے
کیوں سب میں نہ ممتاز یہ ذاکر ہوئے
آواز ہے بھاری تو ہو، پر بات یہ ہے
مجلس میں سخن نہ بارِ خاطر ہوئے

لباس: بقول شادؔ عظیم آبادی: ''دامن دار گوٹ اور بڑے گھیر کا کرتا، کبھی تن زیب، کبھی جامدانی پہنتے تھے۔ گرمیوں میں عمدہ مشروع کا مہری دار پاجامہ اور سفید جرابیں۔ سر پر باریک کام کی چکن کی پانچ گوشے والی ٹوپی، بغیر قالب کی اور جیسی کہ اس زمانے میں ایک جدید رسم سرگوشہ جالی لوٹ کے رومال اوڑھنے کی نکلی تھی، جب کہیں تشریف لے جاتے تھے، پاؤں میں زرروزی رنگ کھٹیلا بھاری کام کا جوتا، ہاتھ میں مرشد آبادی جریب، انگلیوں کے ناخنوں میں مہندی کا رنگ۔ بڑے بڑے عقیق کے نگوں کی تین چار انگوٹھیاں بھی پہنا کرتے تھے۔ جاڑوں میں بیشتر شالی دگلا، شالی رومال یا عمدہ دوشالہ، سر پر لکھنؤ کی پنج گوشہ شال کی ٹوپی۔

ثابتؔ لکھنوی لکھتے ہیں: ''سر پر گول پنج گوشیہ ٹوپی، جسم میں اندر شلوکا، اوپر ڈھیلا کرتہ جو گھٹنوں سے نیچا ہوتا ہے، اُس کے نیچے ڈھیلا پاجامہ اور پاجامے کے نیچے ایک جانگیہ ہمیشہ پہنے رہتے تھے، پاؤں میں گھٹیلا جوتا۔

غذا: دبیرؔ دن میں صرف ایک وقت نو دس بجے کے لگ بھگ غذا تناول کرتے تھے، رات میں صرف چائے پیتے تھے۔ آخر عمر میں جب سخت علیل رہنے لگے تو طبیبوں کی رائے سے دو وقت غذا کر دی تھی، چونکہ نمازِ شب میں دقت اور تکلیف ہوتی تھی، اس لیے پھر رات کی غذا ترک کر دی تھی۔ شادؔ عظیم آبادی لکھتے ہیں: ''میٹھے چاولوں اور بالائی سے بہت رغبت تھی۔ اُن کا دسترخوان اس سے خالی نہ رہتا تھا۔ غذا کھانے کے بعد آرام کرتے تھے اور پانچ بجے کے قریب بیدار ہوا کرتے تھے۔ شب کو بارہ بجے کھانا کھا کے دو بجے تک آرام کرتے تھے۔

نظام الاوقات: مرزا دبیرؔ وقت کے بڑے پابند تھے۔ ہر کام اور عبادت کا وقت مقرر تھا۔ نمازِ صبح کا سلسلہ دو گھڑی دن چڑھے ختم ہوتا تھا، پھر کھانا کھاتے تھے۔ دوپہر کو اکثر اپنے شاگردوں کے کلام پر اصلاح دیتے تھے اور خود بھی کہہ لیتے تھے۔ سرِ شام سے رات کے نو بجے تک وہ نمازِ مغربین اور تعقیبات سے فارغ ہوتے تھے، پھر رات کے بارہ بجے تک احباب اور شاگردوں کا ہجوم رہتا تھا، علمی چرچے اور شعری بحثیں ہوتیں۔ آدھی رات کو

جب یہ مجمع برخاست ہو جاتا تو مرزا صاحب نمازِ شب میں مصروف ہو جاتے تھے اور بعد میں شعر کہتے۔ ثابت لکھنوی لکھتے ہیں کہ ٹھیک حال نہیں معلوم کہ رات میں کس وقت سے کس وقت تک سوتے تھے، لیکن شاد عظیم آبادی نے بتایا ہے کہ شب کو بارہ بجے کھانا کھا کر دو بجے رات تک آرام کرتے۔ آخرِ شب تہجد پڑھ کر مرثیے کی تصنیف شروع ہوتی تھی جو صبح تک جاری رہتی۔ مرزا صاحب دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد بھی آرام کرتے تھے۔

آدابِ محفل: مرزا دبیر کی رہائش گاہ عالی شان کوٹھی نہ تھی بلکہ معمولی مکان تھا! جہاں پر دن رات احباب اور شاگردوں کا ہجوم رہتا تھا۔ بڑے بڑے شہزادے، حکام آپ کے گھر پر تشریف لاتے اور علمی اور شعری مباحث میں شریک ہوتے۔ مرزا صاحب، جب کوئی کسی کی غیبت کرتا، تو اُس کو فوراً روک دیتے تھے۔ کسی کی مجال نہ تھی میر انیس صاحب کے خلاف کوئی بات کر سکے۔ وہ اس معاملے میں بہت حساس تھے۔

شاد کہتے ہیں: گھر کے صدر میں ایک بڑا سا گاؤ، جاڑوں میں اونی بڑا قالین، گرمیوں میں بہت بڑی سوزنی بچھی ہوتی تھی۔ آگے ایک فیض آبادی بڑا صندوقچہ سیاہ رنگ کا اور پیتل کی بڑی دوات اور چند واسطی قلم دھرے رہتے تھے۔ پائیں میں ہر وقت ایک خدمت گار پگڑی باندھے منتظرِ حکم کھڑا رہتا تھا۔ جب کوئی مہمان وارد ہوتا، علیٰ قدرِ مراتب کسی کا لبِ فرش تک استقبال کرتے، کسی کے لیے کھڑے ہو کر تعظیم کرتے، جھک کر سلام کرتے اور ہاتھ جوڑ کر مزاج پوچھتے۔ غربا اور حاجت مند کو بھی بیٹھے بیٹھے سلام نہیں کرتے تھے بلکہ کچھ خمیدہ پشت ضرور ہو جاتے۔ گھنٹے دو گھنٹے کے اندر دو تین دفعہ خاص دان میں گلوریوں کا دور ہو جاتا تھا۔ تین چار بند گڑگڑیوں کے حقے، چاندی کے چمبر کے ساتھ، صحبت میں موجود رہتے تھے۔ اکثر عطر دان الائچیوں اور ڈلیوں کا بھی دور ہو جاتا تھا۔ باتیں آہستہ آہستہ اور قدرے مسکرا کے ساتھ کرتے تھے۔ جب مذاقِ شاعری کے لوگ ہوتے تو کبھی کبھی محاورے کی نسبت، کبھی کسی غیر معمولی وزن والے شعر کی نسبت باتیں ہوتیں، احیاناً کوئی شک واقع ہوتا تو فنِ عروض کی کتابیں کھولی جاتی تھیں۔

حافظہ: مرزا دبیر کا حافظہ بلا کا تھا۔ واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو چالیس پچاس سالہ پرانی باتیں اچھی طرح یاد تھیں۔ ہم قوتِ حافظہ کی دو حکایات یہاں بیان کرتے ہیں:

اوّل: مرزا صاحب سے دلگیر مرحوم کو بہت محبت تھی اور وہ بہت قدر و منزلت کرتے تھے۔ میر علی سوز خواں نے اپنے امام باڑے میں دلگیر کا کلام پڑھا۔ اس مجلس میں دبیر بھی موجود تھے۔ شام کو جب مرزا دبیر کے گھر پر بیٹھک ہوئی تو

ایک مصاحب نے دلگیر کے مرثیے کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اس مرثیے کا حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ جب تک میر علی سوز خواں اس کو دو تین سال پڑھ کر تقسیم نہ کریں گے۔ دلگیر صاحب کسی کو نہیں دیں گے۔ مرزا دبیر نے کہا کہ مرثیے کے کل پندرہ سولہ بند ہیں، اگر کسی کی قوتِ حافظہ اچھی ہو تو دو تین مرتبہ غور کر کے یاد کر سکتا ہے۔ پھر مرزا دبیر نے ایک ایک بند کر کے سب بند لکھوا دیے۔ اس حکایت سے دبیر کے حافظے کا پتا چلتا ہے۔

دوم: مرزا ظہور شاگردِ دبیر کہتے ہیں کہ ایک دن میر صفدر علی صفدر کے مرثیے پر دبیر اصلاح دے رہے تھے، چنانچہ تلوار کی تعریف کی ٹیپ ۔

سدِّ سکندری کو تپ لرزہ آئی تھی
دیوار قہقہہ بھی کھڑی تھرتھرائی تھی

کو یوں بدل دیا: ۔

سدِّ سکندری پہ جو بھڑکی، گھلا دیا
دیوار قہقہہ پہ جو کڑکی، رُلا دیا

کوئی بیس پچیس برس بعد جب ظہور نے اسی ٹیپ کو اپنے مرثیے میں ضم کر کے مرزا صاحب کو سنایا تو آپ نے فرمایا: اس کو میں نے کبھی سن کر کٹوا دیا تھا۔ اس طرح دبیر کے حافظے نے ظہور کو حیرت میں ڈال دیا۔

خط: مرزا دبیر نہایت خوش خط اور زود نویس بھی تھے۔ آپ کا خط پختہ اور باقاعدہ تھا۔ مرزا صاحب کا خط اُس زمانے کے ایرانیوں کی روش پر تھا۔ وہ حرفوں پر کم نقطے دیتے تھے اور بعض حروف پر نقطے ہی نہیں دیتے تھے۔ حروف پر نقطے نہ ہونے کی وجہ سے مرثیوں کی نقلیں لیتے ہوئے بعض لفظوں کا کچھ کا کچھ ہو گیا، شاید یہی وجہِ تحریف ہو گی۔

مرزا دبیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا مخمس کا ایک ورق ہمارے بیان کا ثبوت ہے۔ شاد عظیم آبادی کہتے ہیں:

مرزا دبیر کے پاس ایک اچھے خط کا کاتب ضرور ملازم رہتا تھا۔

فرنگی محل کے ایک مولوی صاحب تیس روپے پر ملازم تھے۔ وہ خوش خط بھی تھے اور فارسی نثر رنگین لکھتے تھے۔

خود مرزا صاحب کا خط شفیعہ آمیز پختہ تھا۔

اخلاق و کردار: مرزا دبیر اوصافِ حمیدیہ کے حامل تھے۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی مداحی نے ان کے دل میں رحم، مروت، سخاوت، عدالت، قناعت، متانت، صداقت، غیرت، خودداری اور جرأت کے ولولوں کو اس طرح ابھارا کہ وہ فرشتہ

صفت انسان بن کر ظاہر ہوئے۔

محمد حسین آزاد "آب حیات" میں لکھتے ہیں: "دبیر کی سلامت روی، پرہیزگاری، مسافر نوازی اور سخاوت نے صنف کمال کو زیادہ تر رونق دی تھی۔"

مرزا رجب علی بیگ سرور "فسانۂ عجائب" میں لکھتے ہیں: "اللہ کے کرم سے ناظم خوب، دبیر مرغوب نے بارِ احسان اہل دول کا نہ اٹھایا۔"

شاد عظیم آبادی: دوسروں کی امداد کرنا، حاجت مندوں کی حاجت کو پورا کرنا، وہ عبادت تصور کرتے تھے۔

ثابت لکھنوی: مرزا دبیر فرماتے ہیں وہ آدمی نہیں ہے جو دوسروں کے کام نہ آئے۔

(الف) رحم و مروّت: حکایت: میر انیس کے ایک شاگرد نے مرزا دبیر سے خواہش کی کہ انھیں ملکہ زمانی کی مجلس میں پڑھوا دیجیے۔ مرزا دبیر نے اپنے پاس سے قیمتی شالے کپڑے انھیں پہنوائے، ایک پالکی میں خود اور دوسری میں ان کو سوار کرا کے سلطان عالیہ اور ملکہ زمانی سے تعریف کی اور پڑھوایا۔ دربار سے شالی رومال اور پانچ سو روپیا ملا۔ جب گھر واپس آ کر مرزا صاحب کے شالے کپڑے اتارنے لگے تو مرزا دبیر نے کہا: آپ نے شاہزادی کا ہدیہ تو قبول فرمالیا، اب اس فقیر کا ہدیہ کیوں رد کر رہے ہیں۔ پھر دبیر نے اُن شالی کپڑوں کے ساتھ دو سو روپے اپنے پاس سے دیے۔

حکایت: آگرہ کے وکیل جناب سیّد حسن صاحب بیان کرتے ہیں کہ غدر کے بعد ایک سیّد صاحب مرزا دبیر کے پاس آئے اور کہا کہ آپ میرے ساتھ چل کر فلاں رئیس سے مجھے کربلائے معلیٰ کے سفر کے لیے دو سو روپے دلوا دیجیے کیوں کہ رئیس میر انیس کے چاہنے والوں سے تھے، مرزا صاحب نے کہا کہ آپ میر صاحب سے سفارش لے لیجیے۔ لیکن سیّد صاحب نے بتایا کہ استخارے میں دبیر کا نام آیا ہے۔ پھر مرزا صاحب نے بھی دوبارہ استخارہ دیکھا تو اچھا آیا، چنانچہ فینس میں سوار ہو کر جب رئیس کے گھر گئے تو وہ کھانا کھا رہے تھے۔ جب چوکیدار نے اطلاع دی، وہ فوراً دبیر صاحب سے ملنے باہر آئے اور پوچھا: حضور نے کیوں زحمت فرمائی؟ مرزا صاحب نے کہا: سیّد صاحب کربلا جانا چاہتے ہیں اور اس کے لیے انھیں دو سو روپے درکار ہیں۔ نواب صاحب اندر گئے اور چار سو روپے لا کر ان سیّد صاحب کو دے کر کہنے لگے یہ دو سو روپے تو آپ کے مطلوبہ ہیں اور دو سو روپے اس شکریے میں نذرِ سادات کرتا ہوں کہ مرزا صاحب اس غریب خانے پر تشریف لائے۔

(ب) سخاوت: مرزا دبیر کی سخاوت کا ان کے مخالفین تک اقرار کرتے ہیں۔ وہ سخی ابن سخی تھے۔ ثابت لکھنوی نے لکھا ہے کہ ان کو سالانہ لاکھوں روپیا ملتا تھا اور وہ سب اہل حاجت میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اُردو ادب کے کسی شاعر کو اُن کے دور تک اتنا پیسا نہیں ملا۔

(ج) مہمان نوازی: مرزا صاحب بہت مہمان نواز تھے۔ ان کی مہمان نوازی کے قصے تمام ہندوستان میں مشہور تھے۔ اکثر باہر سے آنے والے علما اور باکمال افراد ان کے یہاں ٹھہرتے تھے۔ کوئی مہمان بغیر کھانا کھائے یا بغیر حصولِ نقد و جنس، نہیں جا سکتا تھا۔ پردیسیوں کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اگر مہمان کہیں علیحدہ ٹھہرتے تو غذا کے خوان بھجواتے تھے۔ جو لوگ باہر سے مرزا صاحب کی مجالس میں آتے تو انھیں بڑی عزت سے قریب منبر بٹھاتے تھے، جہاں لکھنؤ کے امیروں کو جگہ ملنا دشوار تھی۔

حکایت: ایک دفعہ امام باندی بیگم کے دولت کدے واقع پٹنہ پر سیّد امداد امام آثر صاحب "کاشف الحقائق" کے والد، مرزا صاحب سے ملنے آئے۔ سردی کا موسم تھا لیکن موصوف معمولی لباس، یعنی ایک تن زیب کا کرتہ اور ایک تن زیب کا انگرکھا پہنے ہوئے تھے۔ مرزا صاحب سمجھے کہ کوئی مفلوک الحال ہیں جو گرم کپڑوں کی توفیق نہیں رکھتے، صرف اسی قدر راز کھلا کہ سیّد ہیں، چنانچہ انھیں بلا کر ایک لکھنؤ کے فرد روئی دار اور اس پر پانچ روپیا رکھ کر کہا کہ میں مغل ہوں اور سادات کا غلام ہوں، یہ غلام کا ناچیز ہدیہ قبول فرمائیں۔ انھوں نے رضائی یہ کہہ کر رکھ لی کہ حضور کا تبرک میں عمر بھر رکھوں گا اور مرنے سے پہلے اپنی اولاد سے وصیت کروں گا کہ میرے کفن میں رکھ دیں، شاید غفور الرّحیم اسی بہانے بخش دے۔ پانچ روپے یہ کہہ کر لوٹا دیے کہ مجھے اس کی حاجت نہیں، ورنہ ضرور رکھ لیتا۔ سیّد صاحب نے واپسی پر منشی فرزند احمد صفیرؔ سے اس واقعے کا ذکر کیا۔ صفیرؔ نے دوسرے وقت مرزا صاحب سے تخلیے میں عرض کیا کہ کل جنھیں رضائی مرحمت ہوئی، وہ خاندانی امیر ہیں۔ مرزا صاحب نے جواب دیا: مجھ سے غلطی ہوئی، میں سمجھا کہ ان کے پاس سردی کے مقابلے کے لیے کوئی دگلا نہیں ہے۔

(د) کمک و خیرات: شادؔ کہتے ہیں: "خفیہ سلوک کرنے میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ نادار اور حاجت مند گھیرے رہتے تھے۔ بعض لوگوں سے سنا ہے کہ اکثر سوتی راتوں کو تنہا گھر سے نکل گئے اور کسی شریف زادے، نادار غیرت دار کے گھر پہنچ کر چپکے سے کچھ دے آئے۔ کئی اپاہج نادار اور بیواؤں کو مشاہرے دیا کرتے تھے۔ اپنے خاندان والوں کو اپنے ساتھ لیے رہے۔ اگر کپڑے بنوا رہے ہیں تو پچاس جوڑے، ہر ایک کے لیے الگ الگ

اہتمام کے ساتھ بنوا رہے ہیں، گویا تقریب ہے۔ ان کے بھائی مرزا غلام محمد نظیر کثیر العیال تھے۔ مرزا دبیر سب کو گلے سے لگائے رہے اور کل اخراجات اسی کشادہ پیشانی سے ادا کیے جیسے اپنے بیٹوں، بیٹی، داماد اور اُن کے بچوں کے لیے کر رہے ہیں۔

مرزا دبیر غدر کے بعد جب عظیم آباد پٹنہ جاتے تو دیکھتے اُن کے اکثر ملنے والے نہایت عسرت اور غربت میں زندگی بسر کر رہے ہیں، چنانچہ مرزا دبیر اُن افراد کے لیے بنارس کے زرّیں اور ریشمی کپڑے لاتے اور ایسے دوستوں کو تحفے کے طور پر دیتے تھے۔ اگر کوئی صاحب دختر ہوتے تو کہتے: یہ میری بھتیجی کے جہیز میں شامل کر دیجیے۔

(ہ) قناعت: اگرچہ مرزا دبیر کی آمدنی لاکھوں میں تھی لیکن زندگی سادہ تھی، کیونکہ وہ اپنے لیے صرف ضروری خرچ رکھ لیتے اور باقی سب کچھ غربا میں تقسیم کر دیتے۔ شاد عظیم آبادی ''پیغمبرانِ سخن'' میں لکھتے ہیں: ''میں نے پہلے پہل جو مرزا صاحب کا گھر دیکھا تو محض بے مرمت، صرف مٹی کی چھت کا ایک سائبان تھا جس میں خود بیٹھا کرتے تھے، اس کے علاوہ بھی دو چار گھر قریب قریب تھے مگر ان کی شان کے لائق نہ تھے۔ مجھ کو تعجب ہوا کہ مرزا دبیر کی فتوحات کم نہیں ہیں، کپڑوں کے تو ایسے شائق ہیں کہ گویا مقدرت سے زیادہ ہی پہنتے ہیں مگر گھر کیوں ایسا رکھا ہے۔ ایک دن کیا دیکھتا ہوں کہ کپڑے بیچنے والا آیا، آپ نے کچھ مشروع، کچھ گل بدن، کچھ ململ، کچھ نین سکھ غرض متفرق قسم کے دس بارہ تھان، جو اس کے پاس موجود تھے، خرید کر فرمایا کہ دس تھان اس گل بدن کے، پانچ مشروع کے چودہ ململ و تن زیب کے، اس طرح ایک لمبی فہرست لکھوا دی اور کہا کہ پہنچا دو! پھر شام کو کچھ چکن، کچھ تن زیب کے تھان دوسرے سے خرید کیے۔ ایک دفعہ دیکھا کہ ایک ٹوکرا بھر کر زنانی اور مردانی جوتیاں خرید کر منگائیں، تب یہ حال کھلا کہ خاندان بھر کو ہر چھٹے مہینے ضرور دیا کرتے تھے، خاندان والوں کے مشاہرے مقرر کر رکھے تھے، اس کے علاوہ بھی نقد دیا کرتے تھے، ایک دفعہ دس تولہ عطر مول لے کر چھوٹی چھوٹی شیشیوں میں، قریب پچیس شیشیوں میں بھر کر اپنے خاندان والوں کو بھجوائیں، تب میں نے سمجھا کہ ایسا فیاض بزرگ کیوں کر اچھا گھر بنا سکتا ہے۔ ان کا خلق اور کمال ایسا تھا کہ بڑے بڑے نواب شہزادے اونچے درجے کے روسا اسی مختصر اور بے مرمت گھر اور تنگ گلی میں آنا اپنا فخر سمجھتے تھے۔

(و) عدالت: عدالت کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ کبھی کسی غریب کے مقابلے میں کسی امیر بد طینت کی طرف داری نہ کی کسی رئیس یا بادشاہ کی انھوں نے خوشامد نہ کی، کسی بادشاہ کو خداوند نہ کہا۔

جب مرزا دبیرؔ نے بادشاہ اودھ غازی الدین حیدر کے عزا خانے میں بادشاہ کی موجودگی میں منبر پر جا کر حمد و نعت ومنقبت پڑھ کر یہ قطعہ پڑھا:

فضلِ خدا سے آیا ہوں کس بارگاہ میں واجب ہے حمد و شکر، جنابِ الٰہ میں
چرچا یہ لوگ کرتے ہیں اس وقت راہ میں مجھ سا گدا اور انجمنِ بادشاہ میں!
ذرّے پہ چشمِ مہر ہے مہرِ منیر کو
حضرت نے آج یاد کیا ہے دبیرؔ کو

پھر جو مرثیہ پڑھا، اُس کا مطلع ہے:۔ ''داغِ غمِ حسینؑ میں کیا آب و تاب ہے۔'' چنانچہ جب مرثیے کے اس بند پر آئے تو بادشاہ رونے لگے اور اِسے پھر پڑھوایا۔ بند یہ ہے:

جبّار بادشاہوں کو پہلے بلائے گا جب روز، کبریا کی عدالت کا، آئے گا
تو آج داد دینے کی کل داد پائے گا انصاف و عدل اُن سے بہت پوچھا جائے گا
گل کر دیا ہے دونوں جہاں کے چراغ کو
لوٹا ہے تیرے عہد میں زہراؑ کے باغ کو

کہتے ہیں مرزا دبیرؔ تو مرثیہ پڑھ کر چلے گئے لیکن بادشاہ کو خوفِ خدا سے ساری رات نیند نہ آئی، صبح سویرے اپنے وزیر کو انصاف اور عدالت کے بارے میں بڑی تاکید فرمائی۔

متانت خودداری: مشہور ہے کہ میر انیسؔ کی طرح جو وضع و قطع مرزا دبیرؔ نے اپنائی تھی، اسے مرتے دم تک نبھاتے رہے۔ مشکل سے مشکل دور میں ہمیشہ سواری میں گئے۔ جب کہیں تشریف لے جاتے تو خاندان کے دو چار آدمی ساتھ ہوتے، ایک دو خدمت گار، چاندی کا خاص دان اور چھتری لیے سر پر پگڑی رکھے ساتھ رہتے تھے۔ مرزا دبیر کی متانت ایسی تھی کہ بڑے بڑے صاحبانِ علم، مرزؔا صاحب کو اپنا قبلہ و کعبہ مانتے تھے۔ مرزا صاحب جن امور میں دبنا اور عجز کرنا غیر شرعی سمجھتے تھے، اُن میں کبھی کسی سے دب کر نہیں رہے۔ علامہ جائسی سے معلوم ہوا کہ ایک مجلس میں واجد علی شاہ کے روبرو جب گئے تو باتوں میں انھوں نے معمولی سا لفظ ''خداوند''، جو اہلِ لکھنؤ کا تکیۂ کلام تھا، نہیں کہا۔ جب مجلس ختم ہونے پر بادشاہ کے ایک مصاحب نے کہا کہ

ایسا معلوم ہوتا ہے مرزا صاحب کو لفظ خداوند کہنے میں کچھ اکراہ ہے تو بادشاہ نے اُس جانب توجہ نہ کی۔ دوسرے روز دبیر نے منبر پر یہ رباعی پڑھی تو بادشاہ نے اُس مصاحب سے مخاطب ہو کر کہا: دیکھا! شاعروں کو الہام ہوتا ہے:

ناداں کہوں دل کو کہ خرد مند کہوں
یا سلسلۂ وضع کا پابند کہوں
اک روز خدا کو منہ دکھانا ہے دبیر!
بندوں کو میں کس منہ سے خداوند کہوں

سرکارِ سلاطیں سے سروکار نہیں
جز مجلسِ مولا، کوئی دربار نہیں
مدّاح ہوں میں امام بے سر کا دبیر!
ساماں کیسا کہ سر بھی درکار نہیں

مرزا دبیر نے جب مرثیہ پڑھنا شروع کیا، اُس زمانے میں مرثیہ گو شعرا سوز خوانوں کے رحم و کرم پر رہتے تھے، کیوں کہ انہی سوز خوانوں کی بدولت ان کے مرثیے مشہور ہوتے تھے۔ مشہور ہے کہ اُس زمانے میں لکھنؤ کے مشہور سوز خواں میر علی صاحب، جو رشتے میں خواجہ میر درد کے سگے نواسے تھے، جس شاعر کا مرثیہ سوز سے پڑھتے، اُسے شہرت مل جاتی تھی۔ مرزا دبیر کی شہرت سُن کر میر علی صاحب نے دبیر کے تین مرثیوں: ع: ''باغِ فردوس سے یہ بزمِ عزا بہتر ہے'' ع: ''بخدا تاجِ سرِ عرشِ خدا ہے شبیرؑ''
ع: ''جب ہوئی ظہر تلک قتل سپاہِ شبیرؑ'' کو حاصل کر کے پڑھا اور سارے لکھنؤ میں ان مرثیوں کی شہرت ہوگئی۔ اتفاق سے انہی مرثیوں میں سے ایک مرثیہ کسی دوسرے سوز خواں نے بھی کہیں پڑھا، جہاں میر علی صاحب موجود تھے، جب میر علی صاحب کو معلوم ہوا کہ دبیر نے یہ مرثیہ دوسروں کو بھی دیا ہے تو مرزا صاحب کے پاس یہ کہلا بھیجا کہ اگر تم مستند اور مشہور مرثیہ گو بننا چاہتے ہو تو آیندہ وہ مرثیہ، جو میر علی کو دیا گیا ہے، کم از کم تین سال تک کسی دوسرے کو تقسیم نہ کیا جائے۔ مرزا صاحب نے جواب بھیجا کہ میری طرف سے آداب عرض کیجیے اور کہیے کہ اوّل تو آپ سیّد، دوسرے بزرگ، تیسرے ذاکر، اس طرح واجب التعظیم

ہیں۔ میں اگر مستند مرثیہ گو بننا چاہتا ہوں تو امام حسینؑ کی امداد اور اپنی محنت و طبعِ خداداد سے۔ یہ بات شاید مری مروّت سے بھی دور ہو گی کہ کوئی ذاکر مجھ سے مرثیہ مانگے اور میں یہ کہہ کر اُس کی دل شکنی کروں کہ میر علی صاحب کا حکم نہیں۔ مجھ سے یہ شرط نبھ نہیں سکتی۔" کہتے ہیں اُس دن سے پھر میر علی صاحب نے مرزا صاحب کا کوئی مرثیہ نہیں پڑھا۔

احترام و دل جوئی: مرزا صاحب ہر بندۂ خدا کو احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ دوسروں کو احمق بنانے اور ہجوِ ملیح کرنے کی بعض حضرات کو جو عادت ہوتی ہے، مرزا صاحب کو اس سے سخت نفرت تھی۔ دبیرؔ اپنے دشمن کی بھی دل شکنی کو گوارا نہیں کرتے تھے۔ حسد اور رشک انہیں پسند نہ تھی۔ ہمیشہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے: ؎

مذہب میں مرے رشکِ خفی شرکِ جلی ہے
واللہ کہ یہ ولولۂ حُبِّ علیؑ ہے

وعدہ وفائی: دبیرؔ جو وعدہ کرتے، ضرور وفا کرتے۔ مجتہد العصر علامہ جائسی کہتے ہیں: جب کسی مجلس میں نیا مرثیہ: "اب طبع دلیر! آج دکھا شیر کے حملے" مرزا دبیرؔ نے پڑھا، مجھے پسند آیا۔ میں نے مرثیہ طلب کیا۔ مرزا صاحب نے فرمایا: یہ مرثیہ آپ کو وطن جانے کے دن ملے گا، چنانچہ جب میں وطن روانہ ہو رہا تھا تو مرزا دبیرؔ نے خود اپنے ہاتھوں سے مرثیہ اُسی دن عنایت کیا۔

دبیرؔ کے اخلاق و کردار پر جناب ہیرا لال شیداؔ لکھتے ہیں: —— "مرزا صاحب کا کلام ہماری بتائی ہوئی کسوٹی پر پرکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شاعری کے لیے پیدا کیے گئے تھے چونکہ ہر اصلی شاعر کا یہی مشن ہوتا ہے کہ وہ دنیا کے اخلاق کو ترقی دے، اس لیے وہ دوسرے واقعات کے پیرائے میں اپنے وقت کی بھلائیوں اور برائیوں کے نغمے سنایا کرتا ہے۔ مرزا صاحب کے زمانے میں بھی آج کل کی طرح سچی دین داری کی جگہ ریاکاری کا زور تھا۔ وہ اس سے متنفر تھے۔ اس کی ہدایت اس طرح فرماتے ہیں: ع:

نزدیک ہے کہ زہد کو بے آبرو کریں
تر دامنی سے، شہر میں، زاہد وضو کریں

مرزا صاحب ایک مصلحِ اخلاق کی حیثیت سے اپنے ہم جنسوں میں صبر و قناعت و وضع داری، بیکسوں اور مفلسوں سے ہمدردی کا مادہ پیدا کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ جناب ممدوح، امام حسینؑ کی زبانی اُن کی چار برس کی بیٹی سکینہ سے مخاطب ہو کے فرماتے ہیں: ؎

سینے پہ مرے سو چکیں اب خاک پہ سونا
آخر ہے زمیں بھی تو غریبوں کا بچھونا

مرزا صاحب کا کلام، اخلاق کی درستی کرنے والے اور محبت کے موجب خیالات کا، کبھی نہ خالی ہونے والا خزانہ ہے۔ وہ انسانی جماعت کو نیک اور پاکیزہ خیال بنانے کے لیے اس دنیا میں بھیجے گئے تھے، اس لیے سچے اور حقیقی شاعر تھے۔

شمس العلما سیّد امداد امام اثر بہت سچ کہتے ہیں کہ مرزا دبیر تمام تر صفاتِ ملکوتی سے متصف اور لاریب خاصانِ خدا تھے۔ اولیاے خدا کی خوبیاں خدا نے انھیں بخشی تھیں۔ ان کی سخاوت اور ایثار شہرۂ آفاق ہے۔ علم وفضل کے ساتھ توفیق عبادت بہت کچھ خداے پاک نے عطا فرمائی تھی۔ اخلاقِ محمدی کا آپ پورا نمونہ تھے۔ جود وسخا، بذل وعطا میں اپنا جواب آپ تھے۔ منکسر المزاجی، خاکساری اور فروتنی میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ خوش مزاجی، خوش اخلاقی اور خوش اوقاتی آپ پر ختم تھی۔ عمر بھر کسی کی غیبت نہ کی۔

شاعری کا آغاز: دبیر نے ۱۲ سال کی عمر میں ۱۸۱۵ء میں شاعری کا آغاز کیا۔

مدت مشقِ سخن: ۶۰ سال

پہلا قطعہ: یہ قطعہ مرزا صاحب نے اپنے استاد ضمیر کو سنایا تھا:

کسی کا کندہ نگینے پہ نام ہوتا ہے
کسی کی عمر کا لبریز جام ہوتا ہے
عجب سرا ہے یہ دنیا کہ جس کی شام و سحر
کسی کا کوچ، کسی کا مقام ہوتا ہے

آخری قطعہ تاریخ: یہ قطعۂ تاریخ ہے جو میر انیس کے انتقال پر کہا تھا، جس کے آخری دو مصرعوں کے مجموعی اعداد سے تاریخ عیسوی نکلتی ہے۔ مرزا نے معتقدین کی طرح آسمان کے الف ممدودہ کے عدد دو لیے ہیں:

آسماں بے ماہِ کامل، سدرہ بے روح الامیں
طورِ سینا بے کلیم اللہ منبر بے انیس

(۹۲۹+۹۴۵=۱۸۷۴)

پہلا مرثیہ: ع: بانو چھلے پہر اصغرؑ کے لیے روتی ہے
بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مرزا دبیر کا پہلا مرثیہ ہے۔ یہ مرثیہ حضرت علی اصغرؑ کے حال میں ہے۔

آخری مرثیہ: ع: انجیل مسیح لب شبیر ہیں عباسؑ
مرزا دبیر یہ مرثیہ نظم کر رہے تھے کہ میر انیس کے انتقال کی خبر ملی۔ مرثیہ ناتمام چھوڑ دیا اور کہا کہ "دبیر یہ تیرا آخری مرثیہ ہے" اور یہی ناتمام مرثیہ انھوں نے اپنی آخری مجلس میں ۲۵ ذیقعدہ ۱۲۹۱ ہجری میں پڑھا۔ یہ مرثیہ حضرت عباسؑ کے حال میں تھا۔

اساتذہ: تقریباً دس برس میر ضمیر لکھنوی سے استفادہ کیا۔ میر ضمیر نے تخلص دبیر لکھا۔
شاد عظیم آبادی کہتے ہیں، میر عشق: فرزندِ انیس لکھنوی نے بھی نوک و پلک سنوارنے میں مدد کی۔

ضمیر اور دبیر میں رنجش: حکایت: جس قدر مرزا صاحب کی شہرت و نیک نامی بڑھتی تھی، حاسدوں کے دل میں حسد کی آگ بھڑکتی جاتی تھی۔ بعض شاگردوں نے سوچا دبیر اور ضمیر میں بگاڑ پیدا کر دیں تا کہ دبیر بے اصلاح کا کلام پڑھیں اور ان کی قلعی کھلے، کیونکہ یہ شاگرد مرزا دبیر کی تمام خوبیاں میر ضمیر کی اصلاح کی بدولت سمجھ رہے تھے۔ افتخار الدولہ، جو ہندو سے مسلمان ہوئے تھے، رمضان کی شبوں میں مجلس کراتے تھے، چنانچہ انھوں نے ایک بار دونوں صاحبوں سے اصرار کیا کہ نیا مرثیہ پڑھیں۔ دبیر کی مشقِ سخن شباب پر تھی، چنانچہ انھوں نے نیا مرثیہ کہا:

ع: "ذرہ ہے آفتاب، در بوتراب "کا"" لیکن ضمیر نیا مرثیہ نہ کہہ سکے۔ جب دبیر نے استاد ضمیر کو اپنا مرثیہ سنایا تو حاسد شاگرد عابد علی بشیر کو بُرا لگا۔ انھوں نے دبیر سے کہا کہ تم یہ مرثیہ استاد کو دے دو، لیکن بات آخر یہ قرار پائی کہ مرثیے کا نصف اوّل دبیر اور نصف آخر ضمیر پڑھیں گے، چنانچہ جب مجلس میں دبیر نے مرثیہ پڑھنا چاہا تو بشیر نے دبیر کو منع کیا لیکن دبیر نے طے شدہ قرارداد کے مطابق آدھا مرثیہ پڑھا، اُدھر بشیر نے استاد ضمیر سے کہا کہ دبیر نے عمدہ حصے والا مرثیہ پڑھ لیا ہے، چنانچہ ضمیر نے منبر پر جا کر کہا کہ میں اپنے ساتھ کوئی مرثیہ نہیں لایا اور جو مرثیہ دبیر نے یہ کہہ کر پڑھا ہے کہ وہ ضمیر کا ہے، غلط ہے۔ یہ مرثیہ دبیر ہی کا ہے۔ اس واقعے کے بعد استاد اور شاگرد نے خلعت بھی قبول نہ کی اور اس رنجش کی وجہ سے استاد اور شاگرد ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔

دبیر اور ضمیر میں صفائی: حکایت: ایک دن وزیر اودھ نواب علی نقی خان صاحب کی مجلس میں مرزا دبیر نے اپنا نو تصنیف مرثیہ

پڑھا جس کا مطلع ہے: ع: ''اے عرشِ بریں! تیرے ستاروں کے تصدق'' اس مجلس میں میر ضمیر بھی شریک تھے۔ مجلس چونکہ وزیر کی تھی، بادشاہ بھی شریک تھے، جنھوں نے مرزا دبیر کی بڑی تعریف کی۔ مرزا دبیر نے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا: یہ سب استاد میر ضمیر کا فیض ہے۔ مجلس کے بعد میر ضمیر نے دبیر کو گلے لگایا اور پھر گھر لے گئے۔ سب اگلی پچھلی باتیں دہرائی گئیں۔ میر عابد علی بشیر کی خطا ثابت ہوئی۔ ضمیر اور دبیر میں رنجش باقی نہ رہی۔

مرزا دبیر، میر ضمیر کا تخلص کے ساتھ نام نہیں لیتے تھے بلکہ حضرت، استاد، جنت مکان وغیرہ تعظیمی الفاظ استعمال کرتے تھے۔ میر ضمیر سال کی چھے مجلسیں پڑھتے تھے۔ مرزا دبیر ان مجالس کی ابتدا سے مشقِ سخن میں پیش خوانی بھی کرتے تھے۔

شاگرد: مرزا دبیر کے شاگردوں کی فہرست بڑی ہے، ہم یہاں صرف منتخب شاگردوں کے نام پیش کریں گے:

(۱) محمد جعفر اوج، (۲) محمد ہادی حسین عطارد (۳) محمد نظیر (۴) میر بادشاہ بقا (۵) شاد عظیم آبادی (۶) منیر شکوہ آبادی (۷) مشیر لکھنوی (۸) صغیر لکھنوی (۹) ممتاز الدولہ (۱۰) ملکہ زمانی (۱۱) سلطان عالیہ (۱۲) زیب النساء حاجی (۱۳) قدیر دہلوی (۱۴) محمد تقی اختر (۱۵) شیخ فقیر حسین عظیم (۱۶) صفدر فیض آبادی (۱۷) سید باقر مہدی بلیغ (۱۸) محمد رضا ظہیر (۱۹) وہاب حیدر آبادی (۲۰) امام باندی عفت (۲۱) مطیر (۲۲) سفیر (۲۳) صبا (۲۴) وزیر (۲۵) حقیر وغیرہ۔

پڑھنے کا طریقہ: مرزا دبیر منبر کے چوتھے زینے پر بیٹھتے تھے۔ پہلے منبر پر بیٹھ کر دو چار منٹ چار طرف مجلس کو دیکھتے۔ اکثر لوگوں سے سلامت اور مختصر مزاج پرسی کرتے۔ اسی دوران زیرِ منبر کوئی مصاحب مرثیے کے کاغذات دیتے۔ مرزا صاحب ان کاغذات سے چند کاغذوں کا انتخاب کر کے زانو پر رکھ لیتے اور پھر ہاتھ اٹھا کر بہ آواز بلند فاتحہ کہتے اور خضوع و خشوع کے ساتھ سورۂ الحمد تمام کر کے بھی کچھ پڑھتے۔ خبیر لکھنوی ''رباعیات دبیر'' میں لکھتے ہیں: ''آج بھی مرزا دبیر کے اہلِ خاندان اور اُن کے خاندان کے تلامذہ پہلے فاتحہ کہہ لیتے ہیں، پھر رباعی سلام اور مرثیہ پڑھتے ہیں۔ میر انیس کے خاندان میں فاتحہ نہیں کہتے اور یہی دونوں خاندانوں کی اب پہچان رہ گئی ہے۔''

مرزا دبیر اہلِ مجلس کو زیادہ تر مخبو یا حضرات کے لفظ سے مخاطب کرتے جاتے۔ مصرع نصف ایک جانب اور نصف دوسری جانب نظر کر کے پڑھتے۔ پڑھتے وقت قریب سے دیکھنے والوں کو ان کی جوش کی حالت پوری

محسوس ہوتی تھی۔ نصف مصرع کو ڈپٹ کر اور نصف کو بہت آہستہ ادا کرنا کچھ انھیں پر ختم ہو گیا۔ ہاتھ یا چہرے سے بتانا مطلق نہ تھا۔ حزن یا بین کی جگہ آواز کو نرم بنا کر سامعین پر اثر ڈالنا بھی چنداں نہ تھا۔ اکثر اہل مجلس کو روتے روتے غش آ جاتا تھا۔ پورا مرثیہ، از مطلع تا مقطع، مسلسل پڑھتے میں نے نہیں سنا۔ مشکل سے مرثیے کے ایک سو بند پڑھتے ہوں گے۔ آخر میں پسینے سے شرابور ہو جاتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ گھنٹے تک پڑھ کر اتر آتے تھے۔''

مؤلف ''حیات دبیر'' ثابت لکھنوی کہتے ہیں: ''مرزا دبیر جوشِ معرفت میں سینے کے زور سے پڑھتے تھے اور مجلس میں جب کبھی پڑھنے کو جاتے تھے، وضو کر کے جاتے تھے۔ آواز بھاری اور پاٹ دار تھی، فطری طور پر کہیں خود بخود ہاتھ اٹھ جاتا تھا، ورنہ منبر پر بیٹھ کر بتلانے کو وہ عیب جانتے تھے۔ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے، مرثیہ خوانی سے بتانے کو کیا علاقہ ہے۔ اس مضمون کو اپنی ایک رباعی میں یوں بیان کرتے ہیں:

ناحق نہ چیخنا نہ چلانا ہے
بے کار نہ ہر بند پر بتلانا ہے
ابن شہِ مرداں کا ثناخواں ہوں میں
صد شکر کہ پڑھنا مرا مردانہ ہے

حکایت: ۱۸۷۲ء میں داروغہ میر واجد علی تسخیر لکھنوی کے امام باڑے میں دبیر نے یہ مرثیہ پڑھا تھا:
ع: ''پرچم ہے کس علم کا، شعاع آفتاب کی'' تمام مجلس تصویر بنی ہمہ تن گوش تھی، یہاں تک کہ مرزا دبیر اس موقعے پر پہنچے کہ حضرت زینب اپنے بچوں سے پوچھتی ہیں کہ تم نے شمر سے بات کیوں کی؟ اس موقعے پر مرزا دبیر نے ایک مصرع تین طرح سے پڑھا۔ ہر مرتبہ مصرعے کے ایک نئے معنی سامعین کے ذہن میں آئے:

(۱) کیوں۔ تم نے میرے بھائی کے قاتل سے بات کی؟ (گھڑکی کے لہجے میں)
(۲) کیوں؟ تم نے میرے بھائی کے قاتل سے بات کی؟ (سوالیہ طور پر)
(۳) کیوں تم نے میرے بھائی کے قاتل سے بات کی (تاسف کے لہجے میں)

اس مصرعے پر اس قدر رقت ہوئی کہ مرثیہ آگے نہ پڑھ سکے۔ مرزا دبیر کو خاص کر بین کے مقامات پڑھنے میں کمال حاصل تھا۔ کہتے ہیں کہ مرزا دبیر کے پڑھنے کا انداز انھیں کے ساتھ ختم ہو گیا۔ انھوں نے کسی اپنے

شاگرد کو اپنے پڑھنے کا طرز نہیں سکھایا۔

طریقۂ تصنیف: ثابت لکھنوی کے قول کے مطابق: ''مرزا صاحب اکثر باوضو جانماز پر بیٹھ کر مرثیہ تصنیف فرماتے تھے۔ کبھی کبھی بعد نماز شب اور کبھی بعد نماز صبح اور کھانا کھانے کے بعد گیارہ بجے دن، کہا کرتے تھے۔ بعض بعض مصرعوں پر ایسا وجد طاری ہوتا تھا کہ جھوما کرتے اور اکثر بین کے مضامین پر مسلسل آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ جب تک طبیعت حاضر نہ ہوتی تھی، نہ کہتے تھے اور جب حضور قلب کا عالم ہوتا تھا، کہتے تھے اور جلد جلد کہتے تھے۔''

شادؔ عظیم آبادی ''پیغمبرانِ سخن'' میں لکھتے ہیں: ''آخر شب سے تہجد پڑھ کر مرثیے کی تصنیف شروع ہوتی تھی۔ صبح تک جتنے بند کہتے تھے، بعد ادائے نماز اس کو لیے ہوئے باہر آتے تھے۔ کاتب موجود رہتے۔ خود بتا بتا کر اپنے سامنے صاف کرواتے تھے۔ یہ بھی مسوّدہ دوم میں داخل ہوتا تھا۔ مسوّدہ اوّل و دوم سب مقفل کیا جاتا تھا، پھر شب کو مسوّدہ اوّل نکالا جاتا تھا۔ مرثیوں کی تصنیف یوں نہ ہوتی تھی کہ مطلع شروع کر کے چہرہ، صف آرائی، رخصت، لڑائی وغیرہ کے بند ترتیب کے ساتھ کہتے ہیں بلکہ مثلاً تلوار یا گھوڑا یا صف آرائی یا چہرہ یا رخصت میں جتنے مضامین متعلق مرثیہ کہے ہیں، ہر مضمون کے سو سو دو دو سو بند لکھے جاتے تھے، آخر میں اس ذخیرے سے بند لے کر پانچ پانچ چھ چھ مرثیے مرتب کر لیتے تھے۔ کچھ موٹی موٹی جلدیں کاتب سے صاف کروائی ہوئی، انھیں بے ترتیب بندوں کی، الگ رہتی تھیں اور جب یہ بند بصورتِ مرثیہ مرتب ہو جاتے تھے تو کتاب کے اندر ترتیب وار داخل کیے جاتے تھے۔ اسی طرح سلاموں مخمسوں، قطعات وغیرہ کی جلدیں صاف کی ہوئی، الگ رہتی تھیں۔ کاتب کو دم لینے کی فرصت نہ تھی، تازہ تصنیف کو تو اپنے سامنے بٹھا کر صاف کرواتے تھے ورنہ حوالے کر دیتے تھے، وہ الگ بیٹھا لکھا کرتا تھا۔

''شادؔ عظیم آبادی کی گفتگو افضل حسین ثابتؔ لکھنوی کے بیان کردہ میر دستور علی بلگرامی کے ''دفتر پریشان'' سے ثابت ہوتی ہے جس میں دبیرؔ نے بیس (۲۰) چہرے، بیس (۲۰) رخصتیں، بیس (۲۰) رجز، بیس (۲۰) لڑائیاں، بیس (۲۰) سراپا اور بیس (۲۰) بین و بیانِ شہادت نظم کیے ہیں۔ مشہور ہے کہ دبیرؔ بہت جلد جلد کہتے تھے۔ ذیل کی حکایات ان کی زود گوئی کا ثبوت ہیں۔

حکایت ا: میر وزیر حسین صاحب ناقل ہیں کہ ''میں جس وقت مرزا دبیر کی خدمت میں پہنچا، دن کے بارہ بج چکے تھے۔ مرزا صاحب کھانا کھا کر پلنگ پر آرام کر رہے تھے۔ دو کاتب پلنگ کے اِدھر اُدھر بیٹھے تھے۔ مرزا دبیر

دونوں کاتبوں کو تو تصنیف دو مرثیے لکھوانے لگے، کبھی اس کاتب کو تین مصرعے بتا دیتے کبھی اُس کاتب کو بعض مصرعے یا بیت۔ بعض مصرعوں پر اتنا جوش آ جاتا کہ بیٹھ جاتے۔ تقریباً چار بجے تک یہی سماں رہا۔ جب نمازِ ظہرین کے لیے اٹھے تو معلوم ہوا کہ ہر کاتب نے ساٹھ ساٹھ بند دو مرثیوں کے لکھے ہیں۔ ایک مرثیہ حال حضرت علی اکبرؑ اور دوسرا امام حسینؑ کے حال میں تھا۔

حکایت نمبر۲: میر دستور علی صاحب بلگرامی نے بتایا کہ ایک صاحب مرزا صاحب کے پاس آئے اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ اس وقت بارہ تیرہ بند اس حال میں کہہ دیجیے کہ بعد شہادتِ علی اصغرؑ، ان کی ماں قبرِ علی اصغر پر آئی، کہ میں اُن بندوں پر سوز رکھ کر فلاں رئیس کے پاس پڑھوں گا۔ مرزا صاحب نے کہا کہ اب مجلس میں جا رہا ہوں۔ اُس شخص نے کہا کہ میرے رزق کا معاملہ ہے، پھر مرزا صاحب نے کھڑے کھڑے چودہ پندرہ بند لکھوا دیے اور وہ سوز خوان لے گئے۔ اس طرح ایسے سیکڑوں بندوں کی نقل کچھ ان کے گھر میں نہیں رہی۔

اصلاح کا طریقہ: مرزا دبیر کے شاگردوں کی تعداد زیادہ تھی۔ مرزا صاحب شاگرد سے اُس کا کلام سنتے جاتے اور جس مصرعے یا بند پر اصلاح دینا ہوتا تو مرثیہ لے کر اپنے ہاتھ سے بنا دیتے تھے۔ جو لفظ کاٹتے یا بناتے تھے، اگر وہ شاگرد حاضر ہوتا تو زبانی بتا دیتے ورنہ حاشیے پر بطور اشارہ لکھ دیتے تھے۔

حکایت: میر واجد حسین کہتے ہیں کہ مرزا دبیر نے کسی شاگرد کا ایک اصلاح شدہ مرثیہ انھیں دے کر کہا کہ اسے صاف کر دو! مرثیہ کی ٹیپ تھی: ع:

آپ آئے ہیں عورت نہ کوئی سامنے آئے
اقبال سے کہہ دو کے عناں تھامنے آئے

چنانچہ واجد حسین صاحب نے اس شعر میں تصرّف کر کے اپنی طرف سے لکھا:

ع: ''ہاں فتح سے کہہ دو کہ عناں تھامنے آئے'' کسی طرح سے مرزا دبیر کی نظر اُس پر پڑ گئی۔ مرزا صاحب نے کہا کہ پہلے سمجھ لو کہ لفظ ''فتح'' میں کیا بُرائی ہے اور ''اقبال'' میں کیا خوبی ہے۔ اقبال اُردو میں مذکر اور فتح مونث ہے، چنانچہ فتح کا جو مونث ہے، سامنے آنا کب مناسب ہوگا، اس کے سوا اقبال کے خود معنی آگے آنے کے ہیں، لفظ فتح میں یہ بات کہاں۔ پھر فرمایا: اکثر بزرگوار میرے مرثیوں میں الفاظ کی خوبی اور اثر کو نہیں سمجھتے، اپنی سمجھ کے مواقف بدل دیتے ہیں۔ دیکھنے والا سمجھتا ہے مصنف نے یونہی کہا ہوگا۔ اُس کو کیا خبر کے دبیر کے اصلاح دینے والے بے انتہا ہیں۔

ایجادات: ''حیاتِ دبیر'' کے مولف ثابت لکھنوی نے مرزا دبیر کی اُن ایجادات کو بیان کیا ہے جو میر انیس کے کلام میں موجود نہیں۔ ہم اجمالی طور پر یہ ایجادات یہاں بیان کرتے ہیں:

۱۔ مرثیے کو حمد و نعت و منقبت سے شروع کیا، بادشاہ اور مجتہدِ عصر کی بھی مدح فرمائی۔ مثال: مطلع مرثیہ: ''طغرا نویس کن فیکوں ذوالجلال ہے''

۲۔ چہاردہ (۱۴) معصومین علیہم السلام کے حال میں علیحدہ علیحدہ مرثیے کہے، چنانچہ ''دفترِ ماتم'' کی چودہ جلدوں میں یہ ترتیب ہے کہ ہر جلد ایک معصوم کے حال کے مرثیے سے شروع ہوتی ہے۔

حکایت: مرزا اوج کہتے ہیں جب نواب نادر مرزا صاحب فیض آبادی نے مرزا صاحب کو بلوایا تو اُن سے خواہش کی کہ چودہ معصوموں کے حال میں مختصر مرثیے لکھ دیں تاکہ وہ ہر معصوم کی وفات کے دن مجلس میں پڑھ سکیں، چنانچہ جب مرزا صاحب پالکی میں واپس شہر لکھنؤ آئے تو راستے میں تمام مرثیوں کو کہہ کر اُن لوگوں کے ہاتھ، جو مرزا صاحب کو لکھنؤ لائے، دے دیے کہ نواب صاحب کو دے دیں۔ یہ مرثیے مختصر مرثیے ہیں۔ مرزا دبیر کا خیال تھا کہ ہر معصوم کے حال میں ایک ایک طولانی مرثیہ کہیں گے، چنانچہ امام موسیٰ کاظم کے حال میں ان کا ایک طولانی مرثیہ موجود ہے۔

۳۔ حالِ ولادتِ حضرت عباسؑ: ع ''انجیلِ مسیح لبِ شبیرؑ ہیں عباسؑ'' — اور حالِ ولادتِ حضرت علی اکبرؑ: ع ''جب رونقِ مرتبِ کون و مکاں ہوئی'' لکھا۔

۴۔ حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کی شادی کا حال اس مرثیے میں نظم کیا:

ع: ''جب فاطمہؑ سے عقدِ شہِ لافتی ہوا'' یہی نہیں بلکہ عقدِ حضرت علیؑ، جو حمیدہ ام البنین سے ہوا، اس کا ذکر مرثیہ ع: ''انجیلِ مسیح لبِ شبیرؑ ہے'' ''عباسؑ'' میں کیا ہے۔ اسی طرح حضرت عباسؑ کی شادی کا حال ع ''جب اخترِ یعقوب پہ کی مہر خدا نے'' میں ذکر کیا ہے۔

۵۔ مرزا دبیر کے زمانے میں ترکوں نے کربلائے معلیٰ میں قتلِ عام کیا تھا جس میں بائیس (۲۲) ہزار شیعہ قتل ہوئے۔ اس قتل و غارت کو مرزا صاحب نے کئی رباعیات میں نظم کیا اور تفصیل سے اس مرثیے میں نظم کیا جس کا مطلع ہے: ع: ''اے قہرِ خدا! رومیوں کو زیر و زبر کر''

۶۔ حالاتِ تاریخی پر مرثیہ لکھا: ع: ''فہرست یہ شبیرؑ کے لشکر کی رقم ہے''

۷۔ مرثیے میں مناظراتی پہلو۔ مرزا صاحب کے دور میں ایک شخص نے شدت سے تعزیہ داری کی مخالفت کی تھی

تو مرزا صاحب نے اس کا جواب اس مرثیے میں لکھا! ع: ''اے شمعِ قلم انجمن افروز رقم ہو''

۸۔ مرثیوں میں طرزِ بیان کے جدید نکات، جیسے شام کے زندان میں حضرت سکینہؑ کو سُلانے کے لیے حضرت زینبؑ کا کہانی کہنا، جو امام حسینؑ کی کہانی تھی: ع: ''جب کہ زنداں میں نبیؐ زادیوں کو رات ہوئی''

۹۔ مرثیوں میں بہت سی معتبر روایتوں کو نظم کیا جیسے: ع: ''جب ان میں بعد فتح عدو ایک شب رہے'' ــــــ میں نصرانی تاجرہ کا واقعہ وغیرہ ہے۔

۱۰۔ مرثیے میں قاتلانِ حسینؑ سے انتقام، حالِ حضرتِ مختارؒ: ع: ''جب تیغِ انتقام برہنہ خدا نے کی''

۱۱۔ مرثیے میں حُر کا سراپا لکھا: ع: ''اب تک کسی نے حر کا سراپا نہیں کہا''

اصحابِ حسینؑ: حبیب ابنِ مظاہر، زہیر ابنِ قین، وہب ابن کلبی کے متعلق مراثی لکھا۔

۱۲۔ پانی اور آگ کا مناظرہ۔ ان دونوں عنصروں کے سبب سے جو ظلم اہلِ بیت پر ہوئے۔ ع:

''آتش سے، سبب دشمنیِ آب کا، کیا ہے؟''

۱۳۔ مرزا دبیر سے پہلے اور ان کے ہم عصروں میں بھی عموماً مرثیے چار بحروں: رمل، ہزج، مضارع اور مجتث میں کہے جاتے تھے لیکن مرزا صاحب نے دوسری بحروں میں بھی مزید اور طویل مراثی کہے، جو مقبول ہوئے۔

۱۴۔ مرزا دبیر نے ایک مرثیے میں کئی مطلعے لکھنے کو رواج دیا، یعنی ایک مرثیے میں رخصت، لڑائی، شہادت کے موقعے پر کئی مطلع دیتے تھے۔

۱۵۔ ایک مرثیہ: ع: ''آہوئے کعبۂ قربانیِ داور ہے حسینؑ'' ــــ میں تمام احکامِ ذبیحہ نظم کیے اسی طرح ع: کیا شان روضۂ خلفِ بوترابؑ ہے۔'' میں زیارتِ ناصیۂ مقدسہ کے اکثر فقروں کا مطلب بیان کیا ہے۔

۱۶۔ سلاموں میں طویل قطعہ بند رکھنا بھی مرزا دبیر ہی کی ایجاد ہے، جیسے سلام میں حُر اور ابن سعد کی گفتگو۔ دبیر کے بعد ان کے شاگردوں نے بھی سلاموں میں قطعہ بند رکھے۔

۱۷۔ دبیر نے مرثیوں میں خطباتِ امام حسینؑ نظم کیے۔

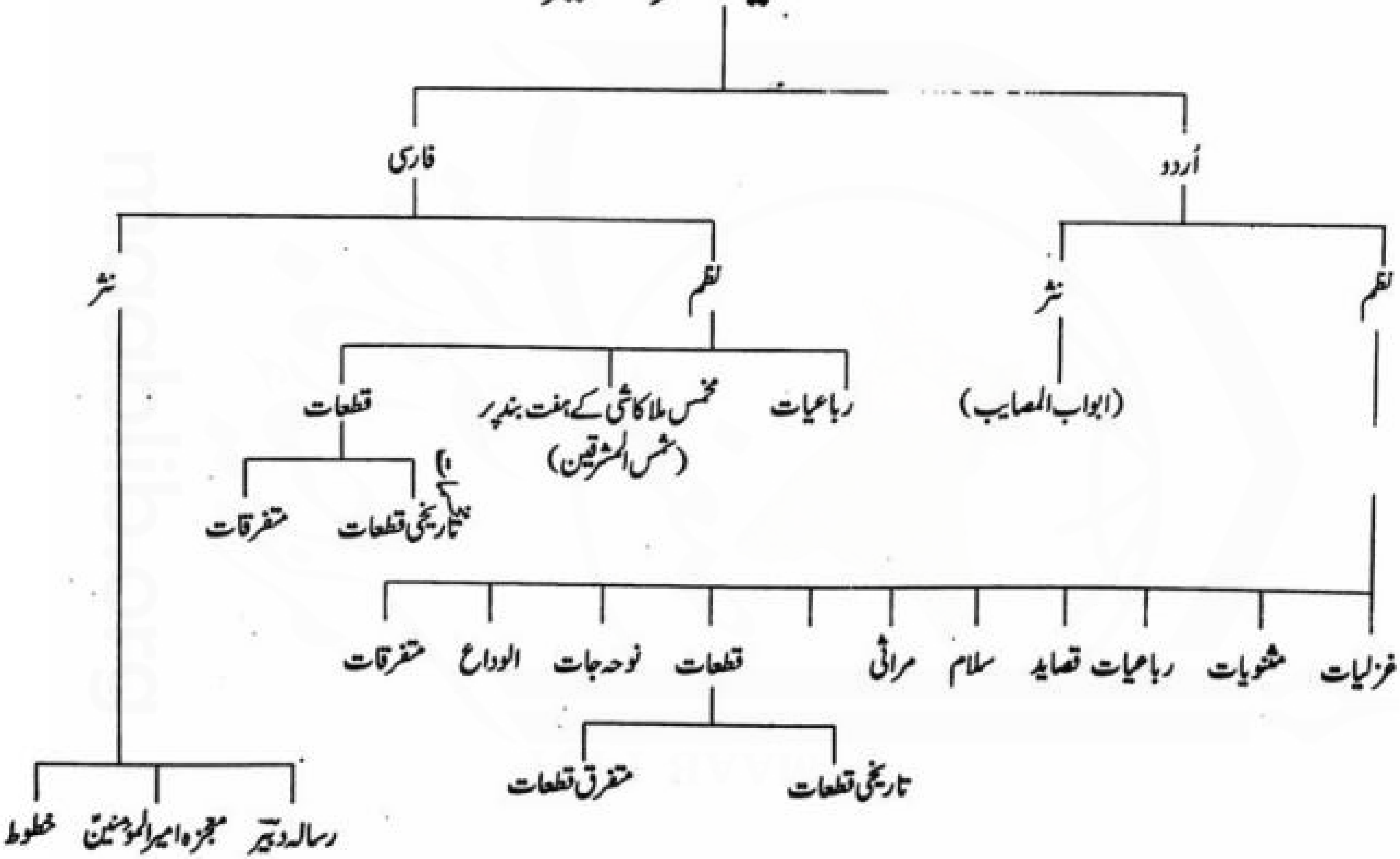
۱۸۔ دبیر نے ایک مرثیے میں تمام علمِ بیان اور علم بدیع کی صنعتوں کو جمع کیا جس کا مطلع ہے: ع:

''لعلِ لبِ شبیرؑ گہربار ہے ان میں''

۱۹۔ دبیر نے باکردار علماء کی مدح و ستائش کے عنصر کا اضافہ کیا۔

۲۰۔ دبیر نے محافل کے لیے بشکلِ مثنوی ''احسن القصص''، ''معراج نامہ'' اور ''فضائل چہاردہ معصومؑ'' نظم کیے۔

تصانیف مرزا دبیر



۲۱۔ مرزا دبیر کے مرثیوں کے مطلعوں میں ''جب'' ایک سو سے زیادہ اور ''جو'' پچاس سے زیادہ مقامات پر آ ہے۔ یہ اسلوب دبیر کے گہرے قرآنی مطالعے کا نتیجہ ہے۔ بعض سورتوں اور آیتوں کا آغاز 'اذا' سے ہوا ہے جس کے معنیٰ 'جب' کے ہیں۔ مرزا دبیر کے مراثی میں آیات و احادیث کے ٹکڑے نظم کیے گئے ہیں۔

ع: ''جب ختم کیا سورۂ والّیل قمر نے'' ع: ''یاروکریم وہ ہے جو وعدہ وفا کرے''

مرزا دبیر کے جدِّ اعلیٰ ملّا ہاشم شیرازی اعلیٰ پایے کے نثّار تھے اور ملّا ہاشم کے سگے بھائی ملّا اہلی شیرازی، اعلیٰ پایے کے شاعر تھے جن کی ذوالبحرین و ذوالقافیتین مع التجنیس شاہکار فارسی مثنوی ''سحرِ حلال'' آج تک لاجواب ہے، چنانچہ مرزا دبیر میں وراثتاً یہ دونوں خصوصیات موجود تھیں، اس لیے شعری ذخائر کے ساتھ ساتھ دبیر کے نثری نمونے بھی شاہکار ہوئے۔ اگرچہ مرزا دبیر کا کوئی فارسی مرثیہ دستیاب نہیں اور نہ کہیں اس کا ذکر ہوا ہے لیکن فارسی کے متعدد قطعات، رباعیات اور خطوط ان کے کلام میں موجود ہیں۔ ملّا کاشی کے 'ہفت بند' پر مخمس دبیر کی فارسی مہارت کی دلیل ہے یہ بہ ذات خود ایک استادانہ کلام کی عمدہ مثال ہے۔

فارسی نثر: مرزا دبیر کی فارسی نثر کے بعض نمونے مطبوعہ اور بعض نمونے غیر مطبوعہ ہیں۔ مطبوعہ فارسی نثر میں مرزا صاحب کے خطوط شامل ہیں۔ غیر مطبوعہ فارسی نثر میں دو مجموعوں کا ذکر ڈاکٹر محمد زمان آزردہ نے اپنی کتاب ''مرزا سلامت علی دبیر'' میں کیا ہے۔ ان قلمی فارسی آثار کو ''رسالۂ دبیر'' اور ''معجزۂ امیر المومنین'' کا نام دیا گیا ہے اور ڈاکٹر موصوف نے ان رسالوں کے کچھ اوراق کی فوٹو کاپی بھی شائع کی ہے۔

(الف) رسالۂ دبیر: اس رسالے کی دریافت، تذکرہ اور رونمائی کا سہرا ڈاکٹر محمد زمان آزردہ کے سر ہے۔ یہ مخطوطہ مرزا دبیر کے پرپوتے مرزا محمد صادق صاحب کی ملکیت میں تھا جس کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ یہ رسالہ انھیں مطالعے اور استفادہ کے لیے دستیاب ہوا۔ چونکہ مخطوطے کے سرورق پر نام درج نہ تھا، اس لیے انھوں نے اس رسالے کو ''رسالۂ دبیر'' کا نام دیا ہے۔

مخطوطہ: پندرہ صفحات پر مشتمل ہے جس کا سائز "۸،۸ × "۶،۶ ہے۔ مخطوطے کی پیشانی پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر ہے اور آخری صفحے پر آخری سطر میں یہ عبارت لکھی ہے: ''بہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم چہ گونہ این صنف صادق می آید''۔

رسالے کا مضمون مرثیے پر مرزا دبیر کے تنقیدی بیان سے متعلق ہے۔ اس میں مرزا دبیر نے مرثیے کے موضوع اور ہیئت پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے چونکہ رسالہ نایاب ہے اور کوشش کرنے کے باوجود ہماری دسترس سے

خارج ہے، اس لیے ڈاکٹر آزردہ کی کتاب سے اقتباسات پیش کرتے ہیں: ''یہ رسالہ مرزا دبیر کے تنقیدی شعور کے مطالعے میں خاص طور پر معاون ہوسکتا ہے۔ انھوں نے قدما کے طریقۂ کار کا احترام کرتے ہوئے دلیل کے طور پر شعرائے فارسی سے مثالیں پیش کی ہیں لیکن ان کے نزدیک صرف شعرائے فارسی کا تتبع کافی نہیں ہے۔ انھوں نے نہ صرف دیگر مرثیہ گویوں کے کلام سے مثالیں پیش کی ہیں بلکہ بڑی فراخ دلی سے اپنے ہم عصر اور معروف مرثیہ گویوں کا کلام بھی پیش کیا، جس سے ان کی وسعتِ ذہن وفکر کا انداز ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

ہم عصر احقر جناب مرزا جعفر علی سلمہ اللہ تعالیٰ کہ در مرثیہ مصرع مطلعش ایں ست ع:

''کربلا میں جو صفِ جنگ کا سامان ہوا'' ع: لاش نوشاہ کی میدان سے لاتے ہیں حسینؑ —— مرثیۂ مذکور رامطالعہ نمایند کہ مضامین خیالی است و میر خلیق صاحب می گویند ع:

''تھا تاش کے جوڑے پہ عجب برق کا عالم'' ایں لباس در عرب کجا بود و میاں دلگیر صاحب ارشادی نمایند در مرثیہ کہ مطلعش ایں ست: ع:

کہہ دی یہ خبر آ کے کسی نے جو دلہن سے — داماد کو شبیرؑ لیے آتے ہیں رن سے
مَل مَلکے دہن اپنا، سکینہؑ کے دہن سے — آہستہ یہ کبریٰ نے کہا، چھوٹی بہن سے:

دن پھرتے نظر آتے ہیں واللہ! ہمارے
میداں سے پھرے آتے ہیں نوشاہ ہمارے

ایں از کدام کتب است [ترجمہ: یہ کس کتاب سے لیا گیا ہے؟]

مرثیے کے موضوع کی یہ بحث انتہائی معنی خیز اور فنکار کی ذہنی بالیدگی کی دلیل ہے۔ مرزا دبیر کے بہت بعد اُردو ناقدوں نے مرثیے پر اس طرح کے اعتراض وارد کیے کہ اردو مراثی میں واقعات اور کردار تو عربی ہوتے ہیں مگر ان کرداروں کی پیش کش مقامی رسم ورواج کے اعتبار سے ہوتی ہے جب کہ صحیح صورت حال اس سے مختلف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرثیے کے واقعات اور حالات عربی اور ان کی پیش کش ہندوستانی ہونے کی بحث مرزا دبیر کے دور میں عام تھی، جس کا اندازہ اس رسالے سے ہوتا ہے۔ مرزا دبیر اس کے معترضوں کے جواب میں لکھتے ہیں:

''اگر حقیر ہم تقلید علماء خود تحقیق تام کردہ چہ مضائقہ وسوائے ازیں طلب نام وعہر محض برائے قابلیت بود کہ اگر

اعتراض اہلِ علم باشد بجوابش استفادہ فیما بین است وگرنہ چہ ضرورزیرا کہ بعض سگانِ بے دُم وخرانِ بے سُم زاغانِ جہالت پرواز، چغدانِ تفرقہ پرداز کہ محض بہ مکروریا بہ صحبتِ علماء می مانند۔ کسی واقعے جذبے یا تاثر کو شاعرانہ صداقت کے بغیر نظم کرنا مرزا دبیر کے قریب قابل قبول نہیں تھا کیوں کہ اس سے فن کار کی تخلیقی قوتیں سلب ہو جاتی ہیں۔ انھوں نے فارسی شاعری سے مثال پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

''عرفی بہ تعریف میرابوالفتح می گوید: دست او جنبد اگر دستِ قضا گردید شل، وہم بہ تعریف جناب رسالت مآب گفتہ تقدیر بہ یک ناقہ نشانید دو محمل سلمائے حدوث تو ولیلائے قدم را۔ قدم نیز از صفات ثبوتیہ جناب او تعالیٰ است۔ بہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چہ گونہ ایں صفت صادق می آید۔''

رسالے میں ایسے اشارے موجود ہیں جن سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ معترضوں نے اس وقت کے علمائے دین سے مرثیے میں واقعاتِ کربلا عربی واقعات اور کردار کے عین مطابق پیش نہ کیے جانے کی شکایت کی تھی۔ اس طرح کے لوگوں نے مرثیہ گویوں کے خلاف صف آرائی کر رکھی تھی۔ اس رسالے میں زبان بیان کے کئی اہم نکتوں پر بھی روشنی پڑتی ہے۔''

نوٹ: مرزا دبیر کے ایک دریافت شدہ خط بنام کمال الدین سے یہ پتا چلتا ہے کہ مرزا دبیر عظیم آباد جانے کے وقت ہی رسالے کی ترتیب و طبع نہایت ضروری سمجھتے تھے۔ مرزا دبیر ۱۸۵۷ء کے بعد عظیم آباد جانے لگے، ''ابواب المصائب'' اور ''معجزۂ امیر المومنین'' کی تاریخ بہت پہلے کی ہے، چنانچہ راقم کا یہ خیال ہے کہ شاید یہی ''رسالۂ دبیر'' ہوگا جس کی طباعت کے بارے میں مرزا صاحب کوشاں تھے۔ واللہ اعلم۔

(ب) معجزۂ جناب امیر المومنینؑ: اس مخطوطے کی رونمائی اور تذکرے کا سہرا بھی ڈاکٹر محمد زمان آزردہ کے سر ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس مخطوطے کا مطالعہ اور اس سے استفادہ بھی کیا۔ چوں کہ یہ مخطوطہ ہماری کوششوں کے باوجود دستیاب نہ ہو سکا، اس لیے یہاں اس کے اقتباسات بھی ڈاکٹر صاحب کی کتاب سے پیش کر رہے ہیں:

مخطوطہ "۱،۶×"۲،۶ سائز اور ۲۲ بائیس صفحوں پر مشتمل ہے۔ مسطر ۱۲ سطری ہے۔ ترقیمے کے مطابق ۱۲۴۷ ہجری میں نقل ہوا ہے۔ ابتدا: سرخی میں ''معجزۂ جناب امیر المومنین علیہ السلام'' درج ہونے کے بعد دوسری سطر میں حسب ذیل سرخی ہے: ''زرگر را زندہ فرمودند و نیز قاتلش را قتل نمودند'' اس سے مخطوطے کے موضوع پر روشنی پڑتی ہے، یعنی پسر زرگر کو زندہ کرنے کے متعلق حضرت علیؑ کا معجزہ تحریر کیا گیا ہے۔ غالباً یہ معجزہ صلابت جنگ کی فرمائش پر تحریر کیا گیا ہے کیونکہ اس میں صلابت جنگ کی مدح بھی شامل ہے۔



جناب مولوی صاحب عالی مناقب ذکی حسن دام مجدکم

بعد سلام خلوص انضمام ملتمس آنکہ بخدمت والا کمی احقر العباد

سمت عظیم آباد ترتیب و طبع رسالہ تو کردہ بہر خاطر ... آداب

منجملہ واجبات لہذا رسالہ معلوم مع دیوان وغیرہ

عنایت شود کمال احسان برای نشست انجوان استحسان خواہد گردید

یادہ عرضہ دستم

داعی الفقیر ملتمس دعا لقا

دبیر عفی عنہ

اُردو نثر

ابواب المصائب: اوجؔ لکھنوی نے اس کتاب کو مرزا دبیر کی تصنیف قرار دیا ہے اور اس کا اصل مسودہ مرزا صاحب کے کتب خانے میں موجود تھا لیکن اب اس اصلی مسودے کا پتا نہیں ملتا۔ اس کا سائز "۵x"۸.۵ ہے اور صفحات ۱۶۸ مسطر پندرہ سطری اور سال تصنیف ۱۲۴۵ ہجری۔ قطعۂ تاریخ کے آخری شعر سے تاریخ تصنیف نکلتی ہے جو ۱۲۴۵ھ مطابق ۱۸۲۹ عیسوی ہے: ع:

گفت بامن کہ سال تاریخش مصحف طاق چشم اہل عزاست

کتاب کے سرورق پر یہ عبارت لکھی ہے:

فلیضحکو اقلیلاً و لیبلوا کثیرًا

الحمد للّٰہ کہ دریں ایام حزن القیام رسالۂ عجائب وغریب اعنی **ابواب المصائب** من تصنیف شاعرِ بے عدیل ونظیر، مرجع ہر صغیر وکبیر جناب مرزا دبیرؔ، بہ مطبع یوسفی دہلی طبع شد"

کتاب میں چھے باب ہیں اور ہر باب کے ساتھ پانچ فصل ہیں۔ آخری صفحے پر دبیر نے لکھا کہ اس رسالے کو ایک ہفتے میں تصنیف کیا ہے۔ مرزا دبیر نے اس کتاب کی وجہ تالیف، تائیدِ الٰہی اور امدادِ غیبی کے باعث سورۂ یوسفؑ کا ترجمہ اور مصائب سیدالشہدا کو تازگی اور حسنِ بیان کے ساتھ اُردو زبان کے افراد کے لیے قرار دینا، بتایا ہے۔ "ابواب المصائب اُردو زبان میں" "روضۃ الشہداء" کی طرح کی تصنیف ہے۔ ملا حسین کاشفی کی "روضۃ الشہدا" میں بھی حضرت یوسفؑ کا قصہ اور مصائب سیدالشہداء ہیں۔ اس کتاب میں پہلے دس صفحوں پر مشتمل دیباچہ ہے اور پھر چھے ابواب۔ کیوں کہ یہ بڑی عمدہ کتاب ہے جو اب عنقا اور نایاب ہے، اس لیے راقم نے اس کتاب کو ایڈٹ کر کے لغات کے ساتھ دوبارہ شائع کرنے کا بندوبست کر لیا ہے، اسی لیے اس کتاب کے مفصل بیان سے یہاں اجتناب کیا گیا ہے۔

غزلیات: یہ بات مسلّم ہے کہ مرزا دبیر کی شعر گوئی کا آغاز غزل سے ہی ہوا۔ سوانحی حوالوں سے یہ پتا چلتا ہے کہ مرزا صاحب نے غزل کے تین دیوان مکمل کر لیے تھے۔ ایک یا دو دیوان ان کے داماد میر بادشاہ علی بقا مانگ کے لے گئے، بعد میں جب ان کے گھر آگ لگی تو دیوان تلف ہو گئے۔ باقی دیوان خود مرزا دبیر نے تلف کر دیے لیکن ڈاکٹر محمد آزردہ اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں کہ انھیں مرزا صاحب کے پرپوتے نے ایک ایسا مخطوطہ بتایا جس میں مرزا صاحب کی بہت ساری غزلیں موجود تھیں۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ راقم کو بہت تلاش اور کوشش کے بعد بھی یہ مخطوطہ

دستیاب نہ ہوسکا۔ بہر حال، دس گیارہ غزلوں کے مطلعوں اور کچھ مقطعوں کو ہم پیش کرتے ہیں تاکہ مشتے نمونہ از خروارے غزل گوئی کا بھی تذکرہ ہو جائے:

غزل (۱)

دفن کرنا مجھ کو کوے یار میں
قبر بلبل کی بنے گلزار میں
گرمیِ خوں کی، مرے تاثیر دیکھ!
پڑ گئے چھالے تری تلوار میں
بعد مُردن میرے لاشے کو دبیرؔ
جا کے رکھنا کوچۂ دلدار میں

غزل (۲)

اگر وہ غیرتِ شمشاد جاے سیرِ گلشن کو
گلوے سرو میں پہنا دے قمری طوق گردن کو
گلوں کی بے ثباتی پر جو اُس کا دھیان جاتا ہے
تو کیا روتی ہے شبنم منہ پر رکھ کر گل کے دامن کو
ولا ان تنگ چشموں سے نہ چشم مہر تم رکھیو
کسی کے حال پر روتا نہ دیکھا چشم سوزاں کو
دبیرؔ! آئے گا کب وہ بھول کر گورِ غریباں پر
جو اکثر روندتا تھا ناز سے پھولوں کے خرمن کو

غزل (۳)

تل نمایاں ہے، نہیں عارضِ جاناں کے تلے
ہے ستارہ کہیں روشن مہر تاباں کے تلے
کیا ہی بے چین ہوئے نالۂ بلبل سن کر
ٹھہرے اک دم جو کسی نخل گلستاں کے تلے
ہاتھ چھاتی پہ مری رکھ کے یہ حکما نے کہا
دل نہیں آگ ہے یاں سینۂ سوزاں کے تلے
اس کو مت برق سمجھ! یہ جو فلک پر ہے چمک
ہے دبیرؔ! آہ! تری گردشِ دوراں کے تلے

غزل (۴):

گہ شعلہ کبھی شرار ہیں ہم
گہ باغ گہے بہار ہیں ہم
آئینہ کی شکل آنکھ کھولے
مشتاقِ لقائے یار ہیں ہم
مر کے بھی نہ چھٹے در سے تیرے
کوچے کے سدا غبار ہیں ہم
چاہے وہ دبیرؔ یا نہ چاہے
پر بندۂ جاں نثار ہیں ہم

غزل(۵):

یہ مانا فلک پر ستارے بہت ہیں
مگر داغِ دل اپنے پیارے بہت ہیں
اسی واسطے ہیں مزاروں پہ سنبل
کہ یاں اُس کی زلفوں کے مارے بہت ہیں
دبیرؔ! اب بھی مانو میں کہتا ہوں تم سے
وہاں لوگ دشمن تمھارے بہت ہیں

غزل(۶):

دل، اُس زلف کا جو دیوانہ ہوا ہے
تو پھر رات سے دردِ شانہ ہوا ہے
کسی کی کہیں زلف شاید کھلی ہے
جو تاریک سارا زمانہ ہوا ہے
عجب حسنِ دلکش ہے، زلفوں کا اُس کی
گرفتار جس کا زمانہ ہوا ہے
یہ بے وقت اس دھوپ میں دوپہر کو
کدھر سے دبیرؔ آج آنا ہوا ہے

غزل(۷):

جب اٹھ کے اپنے گھر کو وہ رشکِ قمر گیا
اک تازہ داغ میرے کلیجے پہ دھر گیا
اس کا خیال دل سے مرے یوں گزر گیا
تھا عکسِ آئینہ کہ اِدھر سے اُدھر گیا
تیرِ نگاہِ یار عجب کام کر گیا
سینے کو توڑا، پار جگر کے گزر گیا

غزل(۸):

قاصد جو لے کے نامہ پھرا کوے یار سے
رویا لپٹ کے خوب ہمارے مزار سے
جاری کفن میں اشک جو تھے چشمِ زار سے
رویا لپٹ کے ابر ہمارے مزار سے
وا حسرتا رہی یہ تمنا تمام عمر
اک دن دبیرؔ، کہہ کے پکارا نہ پیار سے

غزل(۹):

آشکارا زلف کے حلقے سے خالِ یار ہے
حلقۂ پُرکار میں یا نقطۂ پرکار ہے
آنکھ اٹھا کر اس طرف دیکھا نہ میں نے آج تک
گو کہ اک مدت سے روز و شب پسِ دیوار ہے
دیکھ کر بیمار کو میرے یہ کہتے ہیں طبیب
جو کہ مجنوں کو ہوا تھا، یہ وہی آزار ہے

غزل(۱۰):

زخم جو سینہ و جگر کے ہیں
انھیں ہاتھوں کے سب یہ چرکے ہیں
لختِ دل جو، ترے ہیں دامن پر
گل کھلے اپنے چشمِ تر کے ہیں
قیس و فرہاد اور جنابِ دبیر
دشت اور کوہ اُن کے گھر کے ہیں

انصاف نہ ہوگا اگر ہم چند تذکروں اور سوانحوں کے اقتباسات کو یہاں پیش نہ کریں:

ف۱　مولانا محمد حسین آزاد نے "آبِ حیات" میں لکھا: "دبیرؔ نے تمام عمر کسی اتفاقی سبب سے کوئی غزل شعر کہا ہو۔"

ف۲　مولوی صفدر حسین صاحب نے "شمس الضحیٰ" میں لکھا: "جناب مرزا سلامت علی دبیرؔ از نظم غزلیات ہزلیات ولغویات بلکہ قصائد در مدح ملوک وسلاطین وحکّام ووصف امراء ذوی الاحتشام دست کشید۔"

ف۳　ثابت لکھنوی نے "حیاتِ دبیرؔ" میں لکھا: "سنا ہے کہ مرزا صاحب کے تین دیوان مکمل تھے مگر انھوں نے مشتہر نہیں کیے۔ جس زمانے میں اُن کے داماد میر بادشاہ علی بقاؔ ابتداءً غزل کہتے تھے، مرزا صاحب سے

مانگ کر ایک یا دو دیوان وہ لے گئے۔ برسوں اُن کے یہاں رہے، پھر ایک زمانے میں اُن کے یہاں آگ لگی، وہ دیوان بھی، سنا ہے کہ اور اسباب کے ساتھ جل گئے۔ بعض غزلیں، جو مرزا صاحب کے تخلص کے ساتھ ایک آدھ تذکرے میں پائی جاتی ہیں، نہ معلوم اُن کی ہیں یا نہیں۔"

ف۴ شاد عظیم آبادی "پیغمبرانِ سخن" میں کہتے ہیں: "ایک دفعہ میں نے مرزا دبیر سے عرض کیا کہ حضور نے غزلیں تو بہت فرمائی ہوں گی۔ ایسے متاثر ہوئے گویا میں نے گناہ کبیرہ کو یاد دلا دیا۔ فرمایا کہ جانے دیجیے وہ دن اور تھے۔ یہ عجب معاملہ ہے کہ ایسے محتاط بزرگ غزل سرائی کو ایک شعبۂ اوباشی سمجھتے تھے۔

حکایت: غدر ۱۸۵۷ء سے قبل جب مرزا دبیر کو یہ علم ہوا کہ ایک تقریب عقد کے موقعے پر محفلِ رقص و سرود میں اُس زمانے کی مشہور طوائف حسین باندی نے مرزا دبیر کی ایک غزل گائی تو مرزا صاحب نے دوسرے ہی روز اُس طوائف کو آئندہ اپنی غزلیں گانے سے روک دیا۔

ف۵ ماہرینِ دبیریات، محققانِ رثائی ادب، جن میں پروفیسر اکبر حیدری، جناب کاظم علی خان، ڈاکٹر محمد زمان آزردہ، جناب ایس اے صدیقی، ڈاکٹر فدا حسین صاحب، ضمیر اختر نقوی اور ڈاکٹر ملک حسن وغیرہ شامل ہیں، غزل گوئی پر خوبصورت گفتگو کی ہے۔

مرثیہ گوئی:

تعداد مرثیہ: (۱) محمد حسین آزاد نے "آبِ حیات" میں دبیر کے مرثیوں کی تعداد کم از کم تین ہزار بتائی ہے۔

(۲) مولوی فدا حسین نے "شمس الضحیٰ" میں دبیر کے مرثیوں کی تعداد دو ہزار بتائی ہے۔

(۳) جناب افضل حسین ثصوتے "ردّ الموازنہ" میں دبیر کے مرثیوں کی تعداد دو ہزار سے زیادہ بتائی ہے۔

(۴) ثابت لکھنوی نے "حیاتِ دبیر" میں ان کے مرثیوں کی تعداد ہزاروں میں بتائی ہے۔ لکھتے ہیں: "دبیر کے ہزاروں مرثیے ان کی سخاوت ولا پروائی کی نذر ہوئے، بہت سا کلام ۱۸۵۷ء میں تلف ہو گیا، سیکڑوں مرثیے دوسروں کے نام سے شائع ہوئے۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں انھوں نے مختلف مقامات پر چیدہ چیدہ حقائق بیان کیے جنھیں ہم یہاں پیش کرتے ہیں:

(الف) مرزا دبیر بہت جلد اور کثرت سے کہتے تھے۔ جب طبیعت حاضر ہوتی تو چار چار گھنٹے میں ستر (۷۰)، اسی (۸۰) بند کہہ کر اٹھتے تھے۔

(ب) بعض مہینے میں دو دو تین تین مرثیے کہہ لیتے تھے اور چھوٹے مرثیے اس سے بھی زیادہ۔ اس خیالی حساب

سے بھی نوبت سیکڑوں سے گزر کر ہزاروں تک پہنچتی ہے۔

(ج) دبیر کی مشقِ سخن تقریباً ۶۰ ساٹھ سال تھی۔

(د) دبیر : ع: نیا مرثیہ نظم ہوتا ہے ہر ماہ دبیر اس کو سمجھو مہینا ہمارا

(۵) ڈاکٹر اکبر حیدری نے مطبوعہ مراثی کی تعداد (۳۶۶) بتائی ہے۔

(۶) ڈاکٹر محمد زماں آزردہ نے مطبوعہ مراثی کی تعداد (۳۸۸) سے زیادہ بتائی ہے۔

(۷) ڈاکٹر ہلال نقوی نے ''دفترِ دبیر'' میں مطبوعہ مراثی کی تعداد (۳۶۰) سے زیادہ بتائی ہے۔

(۸) جناب کاظم علی خاں صاحب نے مطبوعہ مراثی کی تعداد حتمی نہیں بتائی۔

(۹) جناب ضمیر اختر نقوی نے مطبوعہ مراثی کی تعداد (۳۶۷) بتائی ہے۔

(۱۰) خبیر لکھنوی مولف ''سبع مثانی'' نے مطبوعہ مراثی کی تعداد (۳۶۴) بتائی ہے۔

(۱۱) ڈاکٹر صفدر حسین نے کتاب ''نادراتِ مرزا دبیر'' میں دبیر کے مراثی کی تعداد (۳۶۶) بتائی ہے۔

(۱۲) ڈاکٹر ذاکر حسین نے ''دبستانِ دبیر'' میں مراثی مطبوعہ کی تعداد (۳۶۶) بتائی ہے۔

(۱۳) ڈاکٹر مظفر حسن ملک نے ''مرزا دبیر، سوانح وکلام'' میں مطبوعہ مراثی کی تعداد (۳۶۶) بتائی ہے۔

ف ۱ دفترِ ماتم کی پہلی چودہ جلدوں میں دبیر کے مطبوعہ مرثیوں کی تعداد (۳۳۸) ہے۔ (ان چودہ جلدوں میں دوسرے شاعروں کے مرثیوں اور تکراری مرثیوں کو نہیں گنا گیا۔)

ف ۲ ''سبع مثانی'' مرتبہ خبیر لکھنوی، ''ماہِ کامل'' مرتبہ مہذب لکھنوی، ''نادراتِ مرزا دبیر'' مرتبہ ڈاکٹر صفدر حسین، ''دفترِ پریشان'' مرتبہ میر دستور علی بلگرامی، نول کشور کی جلدیں، ''شاعرِ اعظم'' اور ''باقیاتِ دبیر'' ''تصنیفاتِ پروفیسر اکبر حیدری، ''تلاشِ دبیر'' مصنف کاظم علی صاحب وغیرہ کے دریافت شدہ اور مطبوعہ مرثیوں کی تعداد باون (۵۲) ہے۔

چنانچہ اس حساب سے مطبوعہ مرثیوں کی تعداد ۵۲+۳۳۸ = ۳۹۰ ہے۔

ف ۳ مرزا دبیر کے غیرِ مطبوعہ مرثیوں کی تعداد میں ہم اُن چھے جلدوں کو اگر شامل کریں جو ذخیرۂ پروفیسر مسعود حسن ادیب، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں ہیں، جس کا ذکر ڈاکٹر ایس اے صدیقی نے ''مرزا دبیر کی مرثیہ نگاری'' میں کیا اور تعداد ۲۸۵ بتائی ہے، تو کل مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مرثیوں کی تعداد ۲۸۵+۳۹۰ = ۶۷۵ قرار پائی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تعداد معتبر نہیں۔ راقم نے گزشتہ

ہفتے پروفیسر نیرّ مسعود صاحب فرزندِ مرحوم پروفیسر مسعود حسن ادیب سے ان قلمی بیاضوں کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ان بیاضوں پر تحقیقی کام کی ضرورت ہے تا کہ یہ علم ہو سکے کہ کیا یہ جداگانہ غیر مطبوعہ مراثی ہیں یا الگ الگ مطلعوں کی وجہ سے مطبوعہ شدہ مرثیوں کے مختلف بند۔ بہر حال، اس وقت راقم مزید تحقیقی اطلاعات فراہم ہونے تک مطبوعہ مراثی کی تعداد (۳۹۰) اور غیر مطبوعہ مراثی کی تعداد (۲۸۵) اور کل موجود مراثی دبیرؔ کی تعداد (۶۷۵) رقم کرتا ہے۔

۱۔ ''دفترِ ماتم'' کی ۱۴ جلدوں میں مطبوعہ مراثی کی تعداد= ۳۶۴

۲۔ ثابت لکھنوی نے دس مرثیوں کو دبیرؔ کے مراثی سے خارج کیا = ۳۶۴ - ۱۰= ۳۵۴

۳۔ تکراری مرثیوں کی غیر معتبر تعداد سولہ ہے = ۳۵۴ - ۱۶= ۳۳۸

۴۔ مختلف مرثیوں کی کتابوں میں مطبوعہ مراثی کی تعداد باون (۵۲) ہے = ۳۳۸+ ۵۲=۳۹۰

۵۔ غیر مطبوعہ مرثیوں کی تعداد چھ قلمی بیاضوں میں ۲۸۵ ہے۔ =۲۸۵

۶۔ کل مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مرثیوں کی تعداد=۲۸۵+۳۹۰= ۶۷۵

مرثیوں کی بحریں: مرزا دبیرؔ کے مراثی پانچ بحر کے نو زحافات میں لکھے گئے ہیں لیکن اغلب مرثیے ان پانچ اوزان میں ہیں:

۱۔ بحرِ رمل مثمن مجنون محذوف رمسکن = فاعلاتن فاعلاتن مفاعلن فعلن

مثال: ؎ ''جب ہوئی ظہر تلک قتل سپاہ شبیرؑ''

۲۔ بحرِ مضارع مثمن مکفوف محذوف= مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن

مثال: ؎ ''یا رب! مجھے مرقّع خُلدِ بریں دکھا''

۳۔ بحرِ ہزج مثمن مکفوف مکسور محذوف= مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

مثال: ؎ ''اے دبدبۂ نظم! دو عالم کو ہلا دے''

۴۔ بحرِ مجتث مثمن مجنون محذوف = مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

مثال: ؎ ''روانہ نہر لبن کو جو شیر خوار ہوا''

۵۔ بحرِ سریع مسدّس مطوی مکسوف = مفتعلن مفتعلن فاعلن

مثال: ؎ ''جب رہے میدان میں تنہا حسینؑ''

مرزا دبیر کے مطبوعہ مراثی کا جدول

نمبر شمار	نام	تعداد مراثی	سنہ طبع	مطبع	ملاحظات
۱	مرثیۂ مرزا دبیر۔ جلد اوّل	۳۵	۱۸۷۵ء	نول کشور پریس، لکھنؤ	
۲	مرثیۂ مرزا دبیر۔ جلد دوم	۳۴	۱۸۷۵ء	نول کشور پریس، لکھنؤ	
۳	دفترِ ماتم۔ جلد اوّل	۲۵	۱۸۹۷ء	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ	
۴	دفترِ ماتم۔ جلد دوم	۲۵	۱۸۹۶ء	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ	
۵	دفترِ ماتم۔ جلد سوم	۲۹	۱۸۹۶ء	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ	
۶	دفترِ ماتم۔ جلد چہارم	۲۷	۱۸۹۶ء	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ	
۷	دفترِ ماتم۔ جلد پنجم	۲۷	۱۸۹۶ء	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ	
۸	دفترِ ماتم۔ جلد ششم	۲۹	۱۸۹۶ء	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ	
۹	دفترِ ماتم۔ جلد ہفتم	۲۵	۱۸۹۶ء	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ	
۱۰	دفترِ ماتم۔ جلد ہشتم	۳۰	۱۸۹۶ء	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ	
۱۱	دفترِ ماتم۔ جلد نہم	۲۶	۱۸۹۶ء	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ	
۱۲	دفترِ ماتم۔ جلد دہم	۲۷	۱۸۹۶ء	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ	
۱۳	دفترِ ماتم۔ جلد یازدہم	۲۷	۱۸۹۶ء	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ	
۱۴	دفترِ ماتم۔ جلد دوازدہم	۲۹	۱۸۹۷ء	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ	
۱۵	دفترِ ماتم۔ جلد سیزدہم	۲۳	۱۸۹۷ء	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ	
۱۶	دفترِ ماتم۔ جلد چہاردہم	۱۹	۱۸۹۷ء	مطبع احمدی مشک گنج، لکھنؤ	
۱۷	نوائب کربلا۔ جلد اوّل	۱۵	۱۹۲۸ء	مطبع یوسفی، دہلی	جلد اوّل اور دوم میں افسردہ، خلیق، ضمیر، فصیح، دلگیر، سعادت، انیس، سلیس، رئیس، اوج، مشیر کے علاوہ ۱۵ مرثیے دبیر کے ہیں۔ ان میں سے چھ مرثیے ایسے ہیں جو "دفترِ ماتم" میں نہیں۔
۱۸	نوائب کربلا۔ جلد دوم		۱۹۲۸ء	مطبع یوسفی دہلی	

۱۹	سبع مثانی۔ خبیر لکھنوی	۱۳	۱۹۳۰ء	نظامی پریس، لکھنؤ	
۲۰	شعار دبیر۔ مہذب لکھنوی	۷	۱۹۵۱ء	یونائیٹڈ انڈیا پریس، لکھنؤ	
۲۱	رزم نامۂ دبیر۔ خبیر لکھنوی		۱۹۶۴ء	نظامی پریس، لکھنؤ	
۲۲	باقیاتِ دبیر۔ اکبر حیدری	۳۶	۱۹۹۴ء	مرزا پبلی کیشنز، حسن آباد، سری نگر	
۲۳	دفترِ دبیر۔ ہلال نقوی	۲۵	۱۹۹۵ء	محمدی ایجوکیشن اینڈ پبلی کیشنز، کراچی	
۲۴	منتخب مراثی دبیر	۲۰	۱۹۸۰ء	مرتبہ۔ ڈاکٹر ظہیر فتح پوری مجلسِ ترقی ادب، لاہور	
۲۵	انتخابِ مراثی مرزا دبیر	۲۰	۱۹۸۰ء	مرتبہ اکبر حیدری۔ اتر پردیش اُردو اکادمی، لکھنؤ	
۲۶	انتخابِ مراثی دبیر	۸	۱۹۶۴ء	رام نرائن لال پبلشرز، الٰہ آباد	

ان کتابوں کے علاوہ مرزا دبیر کے درجنوں مرثیے ان کی زندگی اور ان کے بعد مرنے کے شائع ہوئے۔

دبیر کے سلاموں کی تعداد

دبیر کے سلاموں کی تعداد کے بارے میں سوانح نگاروں، ادیبوں، محققوں اور مورخوں نے ایک صدی سے زیادہ غلط شماری کی۔ ۱۹۹۴ء سے پہلے کسی مضمون نگار نے بھی دبیر کی سولھویں، سترھویں اور اٹھارویں جلد میں مطبوعہ سلاموں کو گننے کی زحمت گوارا نہ کی۔ راقم نے یہ سوچ کر کہ اب تک کسی نے بھی سلاموں کی شمار بندی نہیں کی ہے، تینوں جلدوں میں مطبوعہ ۳۴۳ سلاموں کی، شاعروں کے نام کے ساتھ تقسیم بندی کی تو معلوم ہوا کہ مرزا دبیر کے کل مطبوعہ سلاموں کی تعداد ۱۳۰ ہے اور ایک سلام ''حیاتِ دبیر'' کی جلد دوم میں شامل ہے، اس طرح مرزا صاحب کے کل مطبوعہ سلام ۱۳۱ ہیں۔ میری اس شمار بندی کے بعد جب ''باقیات دبیر'' مولفہ پروفیسر اکبر حیدری کاشمیری پر نظر پڑی تو مجھے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ محقق موصوف نے ۱۹۹۴ میں تینوں جلدوں میں شامل دبیر کے صرف وہ سلام، جن میں مقطعے میں ان کا نام آیا ہے، ان کی گنتی کر کے بتایا ہے کہ ''دفترِ ماتم'' کی ان تینوں جلدوں میں مسلسل ردیف وار سلاموں کی تعداد ۳۴۲ ہے۔ ان میں مرزا دبیر کے صرف ۱۲۴ سلام ہیں، باقی ۲۱۸ سلام ان کے شاگردوں کے ہیں۔

میں نے ان تینوں جلدوں کے علاوہ "حیاتِ دبیر" حصۂ دوم میں شائع شدہ ایک سلام، جس پر دبیر کے برادرِ حقیقی مرزا غلام محمد نظیر نے مخمس تضمین کیا ہے، اور تعداد میں جمع کیا ہے۔ دو سلام، جن میں مقطع نہیں لیکن مطلعوں میں ہجری اور سلامی الفاظ شامل ہیں اور شعروں میں مرزا دبیر کا رنگ اور ڈھنگ نظر آتا ہے، دبیر ہی کے سلاموں کا جز و قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح ۱۲۹ سلاموں میں دبیر کا نام مقطعے میں ہے اور دو سلاموں میں شاعر کا نام ونشان نہیں ہے۔ دبیر کے سینتالیس ۴۷ شاگردوں کے سلام بھی تینوں جلدوں میں شامل ہیں جن میں سب سے زیادہ سلام یعنی ۴۷ سلام شاعرۂ اہلِ بیت سلطان عالیہ بیگم دختر نصیر الدین شاہ کے ہیں۔

جناب صادق صاحب "مرزا دبیر اور شمس آباد" میں لکھتے ہیں کہ نواب پیارے صاحب نے چاندنی کی ردیف والے سلام کو، جو مرزا دبیر سے منسوب ہے اور جسے انھوں نے غازی الدین حیدر شاہ کے زمانے میں لکھا تھا، قدیر صاحب ہی کا سلام بتاتے ہیں یعنی ان کے بموجب دبیر نے کوئی سلام "چاندنی" کی ردیف میں نہیں رقم کیا۔

سلاموں کی تعداد کے معاملہ میں محققین کی سہل انگاریاں

۱۔ محمد حسین آزاد "آبِ حیات" میں لکھتے ہیں: "سلاموں، نوحوں اور رباعیوں کا شمار نہیں"۔

۲۔ مولوی فدا حسین صاحب "شمس الضحیٰ" میں لکھتے ہیں: "سلام، رباعی اور تضمین کا کوئی حساب نہیں۔"

۳۔ جناب افضل حسین ثابت لکھنوی "حیاتِ دبیر" حصۂ اوّل صفحہ ۲۷۷ پر لکھتے ہیں: "دفترِ ماتم" کی سولھویں (۱۱۰) سترھویں (۱۴۴) اٹھارویں (۹۸) جلد میں الف سے لے کر یا تک ۳۳۲ مسلسل زردیف وار سلام ہیں، ان میں بعض مرزا صاحب کے شاگردوں کے بھی سلام ہیں جن کا حال مقطعِ سلام سے معلوم ہوتا ہے۔ اس ہیچ مدان کے تین چار سلام ہیں۔"

یہاں ثابت لکھنوی سے کتابت میں غلطی ہوگئی ہوگی چنانچہ ۱۳۴ کے بجائے ۱۴۴ لکھا گیا اور پھر ہر محقق اور ادیب نے سترھویں جلد پر نگاہ کیے بغیر تعداد ۱۴۴ ہی لکھی۔ دوسرا تسامح ثابت کے اُس جملے سے ہوا جس میں انھوں نے "بعض مرزا کے شاگردوں کے سلام" کا ذکر کیا ہے۔ اگرچہ صحیح یہ ہے کہ ان تین جلدوں میں بعض سلام مرزا دبیر کے ہیں، یعنی ۳۴۲ سلاموں میں صرف ۱۳۱ سلام مرزا دبیر کے ہیں۔

۴۔ ڈاکٹر سید صفدر حسین "رزم نگارانِ کربلا" اور مقدمہ "نادراتِ مرزا دبیر" میں لکھتے ہیں:

مرزا دبیر کی مدت سخن گوئی کم وبیش (۶۰) سال رہی۔ اُس زمانے میں انھوں نے چار سو سے زیادہ مرثیے،

تین سو سے زیادہ سلام، ساٹھ سے زائد مخمسے اور بے شمار رباعیات، قطعات، مناجات اور نوحہ جات تصنیف کیے۔ سولھویں، سترھویں اور اٹھارویں جلدیں سلاموں سے متعلق ہیں لیکن ان میں بعض سلام مرزا صاحب کے شاگردوں کے شامل ہو گئے ہیں:

۵۔ شادؔ عظیم آبادی ''پیغمبرانِ سخن'' میں لکھتے ہیں: ''مرزا صاحب نے اقسامِ نظم میں دو لاکھ شعروں سے بھی کہیں زیادہ کہے ہیں۔ میں نے مرزا صاحب کے چھوٹے بڑے پانچ سو مرثیوں سے کم نہیں دیکھے ہیں۔ غالباً تین سو سلام ہیں۔''

۶۔ ڈاکٹر مظفر حسن ملک ''اُردو مرثیے میں مرزا دبیرؔ کا مقام'' میں لکھتے ہیں: ''دفترِ ماتم'' کی سولھویں سترھویں اور اٹھارویں جلدوں میں الف سے لے کر یا تک ردیف وار سلام ہیں جن کی مجموعی تعداد ۳۳۲ ہے، بعض سلام غلطی سے ان کے شاگردوں کے بھی شامل ہو گئے ہیں جیسا کہ ان کے مقطعوں سے ظاہر ہے۔''

پروفیسر اکبر حیدری نے ۱۹۹۴ میں ''باقیاتِ دبیرؔ'' میں سولھویں سترھویں اور اٹھارویں جلدوں کا ذکر کرتے ہوئے دبیر کے سلاموں کی تعداد ۱۲۴ بتائی۔ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ موصوف کو ''شاعرِ اعظم مرزا سلامت علی دبیرؔ'' جیسی شاہکار تصنیف کرتے وقت یہ جلدیں نایاب ہونے کی وجہ سے نہ مل سکیں، چنانچہ اسی لیے راقم نے ان جلدوں سے مرزا دبیرؔ کے سلاموں کو علیحدہ کر کے ''دبیر کے سلام'' کی شکل دی ہے۔ بہر حال، ہم پروفیسر صاحب کی تہِ دل سے قدردانی کرتے ہیں کہ ان کی بدولت یہ طلسم ٹوٹ سکا۔ اس مقام پر ہم تینوں جلدوں کی تفصیلات پیش کرتے ہیں:

ا۔ ''دفترِ ماتم'' جلد۱۶ (مجموعۂ سلام حصۂ اوّل) = ۱۳۱۴ ہجری، مطبعِ دبدبۂ احمدی، رمشک گنج لکھنؤ۔
سیّد عبدالحسین۔ صفحات = ۲۰۴ کل سلام = ۱۱۰۔ دبیرؔ کے سلام = ۴۳۔

ب۔ ''دفترِ ماتم'' جلد۱۷ (مجموعۂ سلام حصۂ دوم) = ۱۸۹۷ عیسوی، مطبعِ دبدبۂ احمدی، رمشک گنج لکھنؤ۔
سیّد عبدالحسین۔ صفحات = ۲۵۴۔ کل سلام = ۱۳۴۔ دبیر کے سلام = ۶۳۔

ج۔ ''دفترِ ماتم'' جلد۱۸ (مجموعۂ سلام حصۂ سوم) = ۱۸۹۷ عیسوی، مطبعِ دبدبۂ احمدی، رمشک گنج لکھنؤ۔
سیّد عبدالحسین۔ صفحات = ۱۸۴۔ کل سلام = ۹۸۔ دبیرؔ کے سلام = ۲۴۔

د۔ ''حیاتِ دبیرؔ'' (حصۂ دوم) = ۱۹۱۵ عیسوی۔ ایک سلام جس پر نظیرؔ لکھنوی نے مخمس تضمین کیا۔

دبیرؔ کے جملہ مطبوعہ سلام = ۴۳ + ۶۳ + ۲۴ + ۱ = ۱۳۱

اور سلاموں کے اشعار کی جملہ تعداد = ۳۱۲۳ ہے۔

غیر منقوط کلام: مرزا دبیر نے اُردو میں سب سے زیادہ غیر منقوط اشعار کہے ہیں جن کی مجموعی تعداد ۵۵۷ ہے۔

۱۔ رباعیات (مختلف مضامین) = ۱۱عدد۔ تعداد شعر = ۲۲

۲۔ قطعۂ تاریخ اور قطعہ منقبتی = ۲عدد۔ تعداد شعر = ۸

۳۔ سلام: مسطور اگر کمال ہو سرورِ امام کا = ۱عدد ۔ تعدادشعر = ۱۷

۴۔ مرثیہ: ع: مہر علم سرورِ اکرم ہوا طالع = ٦۹ بند۔ تعدادِ شعر = ۲۰۷

۵۔ مرثیہ: ع: ہم طالع ہُما مراد ہم رسا ہوا = ۱۰۱ بند ۔ تعدادِ شعر = ۳۰۳

مرزا دبیر نے تقریباً ۱۳۳۳ رباعیات کہی ہیں

آپ دبیر کی ۱۳۳۳ رباعیات سن کر حیرت زدہ ہوں گے۔ کیسے باور کریں جب کہ دبیر کی رباعیات کی بابت تمام تر تذکرات اور تحریرات خموش ہیں۔ مرزا دبیر کی سب سے پہلی سوانح حیات، جو انتقال کے چار سال بعد فارسی میں بنامِ ''شمس الضحیٰ'' مولوی صفدر علی صاحب کی تصنیف ہے، رباعیات کے بارے میں مبالغہ آمیز طور پر ان کی تعداد ریگِ صحرا کے دانوں یا دریا میں موجود پانی کے قطرات کی طرح بتلاتی ہے، جس کا مجموعی اثر منفی ہوا اور چند سال بعد جب محمد حسین آزاد نے ''آبِ حیات'' لکھی تو رباعیوں کی تعداد کو دبیر کی باتیں اور بے شمار بتایا چنانچہ تعداد انھی باتوں میں گم ہوگئی۔ ''حیاتِ دبیر'' کے مصنف جناب ثابت لکھنوی نے بھی رباعیات کی تعداد کو صنعتِ مبالغہ پر فدا کر کے تقریباً سوا دوسو رباعیات شائع کیں۔ جناب خبیر لکھنوی نے، جو خود مرزا دبیر کے فرزند اوج کے شاگردِ رشید تھے، تقریباً ٦۰ ۔ ۷۰ سال قبل ایک مختصر سا کتابچہ بعنوان ''رباعیاتِ دبیر'' شائع کیا اور کل رباعیات ''۱۹۷'' لکھیں۔ خبیر لکھنوی نے انتخاب یا تعداد رباعیات کی کوئی تشریح نہیں کی جس کا اثر عوام نہیں بلکہ خواص پر بھی ہوا، چنانچہ رثائی ادب کے جید عالم پروفیسر فرمان فتح پوری نے ۱۹۷ کی تعداد کو صحیح جان کر اپنی تصنیف ''اُردو رباعی'' میں دبیر کی رباعیوں کی تعداد دوسو کے لگ بھگ بتائی۔ جناب سلام سندیلوی کی کتاب ''اُردو رباعیات'' جس پر لکھنؤ یونی ورسٹی نے ۱۹۵۸ء میں پی ایچ ڈی کی سند عطا کی، دبیر کی رباعیات کی تعداد ڈیڑھ دوسو کے قریب بتائی ہے۔ ڈاکٹر نفیس فاطمہ، جنھیں مرزا دبیر کی مرثیہ نگاری پر ڈاکٹریٹ دیا گیا، دبیر کی رباعیات کے بارے میں لکھتی ہیں کہ ''دبیر سے کچھ رباعیاں بھی یادگار ہیں۔'' اسی طرح بیشتر دبیر شناسوں نے بھی تعداد کے بارے میں خاموشی اختیار

کی۔ گفتگو کو مختصر کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تمام دبیر شناسی کی کتابوں میں صرف پروفیسر محمد زماں آزردہ کی تصنیف "مرزا سلامت علی دبیر" تنہا وہ کتاب ہے جس کے حاشیے میں موصوف نے لکھا: "دفترِ ماتم" کی بیسویں جلد میں ۱۳۵۳ رباعیاں ہیں اور غیر مطبوعہ رباعیاں اب بھی ملتی ہیں، چنانچہ اسی لیے ہماری مرتبہ زیرِ طباعت کتاب "دبیر کی رباعیات" میں ۱۳۵۰ء سے زیادہ رباعیاں شامل ہیں۔ اُردو کا دوسرا بڑا شاعر، جس نے سب سے زیادہ رباعیاں کہی ہیں، وہ میر ببر علی انیس ہیں جن کی ۵۸۶ رباعیات جناب علی جواد زیدی کے جامع دیباچے کے ساتھ منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ مرزا دبیر کی ۱۳۵۰ رباعیات کو اس لیے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ یہ صنفِ گراں قدر اُردو ادب میں خال خال ہے۔ اُردو کے مشاہیر شعرا نے بہت کم رباعیات کہیں۔ ہماری تحقیق کے مطابق اُردو کے سب سے پہلے صاحبِ دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ نے ۳۹، سراج اورنگ آبادی نے ۹، ولی دکنی نے ۶، میر تقی میر نے ۱۲۵، فغاں نے ۱۱، نظیر اکبر آبادی نے ۲۳، خواجہ درد نے ۳۲، سودا نے ۸۰، مصحفی نے ۱۶۴، مومن نے ۱۲۹، غالب نے ۱۶، ذوق نے ۱۷، ناسخ نے ۶۴، امیر مینائی نے ۳۰، اسیر لکھنوی نے ۱۲، متیر شکوہ آبادی نے ۸۰، میر عشق نے ۱۹۰، داغ نے ۴۱، حالی نے ۱۲۵، شاد نے ۹۵، رشید نے ۹۹، فانی نے ۲۰۰، جوش نے ۲۰۰، فراق نے ۳۵۱، اثر لکھنوی نے ۲۰۰، جگت رواں نے ۱۷۵، اور تلوک چند محروم نے ۲۲۵، رباعیات لکھیں۔ یعنی اگر درجنوں اُردو شعرا کی رباعیوں کو جمع کیا جائے تو بھی ان کی تعداد مرزا دبیر کی رباعیات کی تعداد سے کم ہوگی۔ اس مقام پر صرف رباعیوں کی تعداد پر اتنی طولانی گفتگو کا مقصد یہ بتانا ہے کہ دبیر شناسی کے تقریباً تمام تر موضوعات اسی طرح تشنہ اور ادھورے ہیں، جن پر مسلسل کام کی ضرورت ہے۔ اگر خشتِ اوّل سیدھی رکھی جاتی تو ٹیڑھی دیوار کا مسئلہ پیدا نہ ہوتا لیکن بہر حال، اب بھی اسے سیدھا کیا جا سکتا ہے کیوں کہ دبیر شناسی کی دیوار ابھی فصیلِ اُردو سے بہت کوتاہ نظر آتی ہے۔ جناب مخمور اکبر آبادی نے بہت سچ کہا ہے کہ "اصنافِ شعر میں رباعی دشوار ترین صنف ہے۔ رباعی کا پیکر ٹھیٹ اور آرٹ وقت طلب ہے۔ اس صنف میں وہی لوگ کامیاب طبع آزمائی کر سکتے ہیں جنھیں تصورات اور الفاظ: دونوں پر قدرت حاصل ہو۔"

جہاں تک رباعی کے موضوعات کا تعلق ہے، اس کو مذہبی، اخلاقی، فلسفیانہ، عشقیہ، سماجی، سیاسی اور ذاتی رباعیات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور پھر ہر قسم کو کئی فروعی قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ جیسے مذہبی رباعیوں کو حمدیہ، نعتیہ، منقبتی، مغفرتی، معتقداتی اور رثائی رباعیوں میں یا اخلاقی رباعیات کو خودداری، وضع داری،

شرافت، انکساری، مروّت، تواضع، قناعت، عزّتِ نفس وغیرہ کے مضامین کے تحت الگ کر سکتے ہیں، فلسفیانہ رباعیات کو حیات و ممات، جبر و قدر، بے ثباتیِ دنیا، فلسفۂ غم وغیرہ کی بنا پر جدا کر سکتے ہیں۔ بہر حال، اس طرح رباعیوں کی کوئی سو کے لگ بھگ موضوعاتی قسمیں حاصل ہوں گی۔ مرزا دبیرؔ کی عظمت یہ ہے کہ اُن کے ذخیرۂ رباعی میں تقریباً تمام اہم مضامین پر رباعیات ملتی ہیں اگرچہ سوقیانہ، ہجوئی، ابتذال اور فحش مضامین اس پاک دفتر میں نہیں، جس نے اُردو کے شعری ذخیرے کو بقول حالیؔ ''عفونت میں سنڈاس سے بدتر بنا دیا ہے۔'' خبیر لکھنوی نے صحیح کہا ہے کہ میرؔ، دردؔ، سوداؔ، ذوقؔ اور غالبؔ نے رباعیاں کہیں مگر افسوس ہے کہ ان اساتذہ کی رباعیوں میں مضامینِ عالیہ کا فقدان ہے۔ کسی نے ہجو لکھی، کسی نے خوشامدانہ مضامین نظم کیے اخلاقی مضامین خال خال ہیں، اسی لیے تو امداد امام اثرؔ نے لکھا: ''انیسؔ اور دبیرؔ نے اُردو رباعی نگاری کی شرم رکھ لی۔''

مرزا دبیرؔ کی ۱۳۳۳ رباعیات کی مختصر تقسیم بندی اس طرح ہے:

رثائی رباعیات	=	۴۱۸
اعتقادی رباعیات	=	۳۰۹
منقبتی رباعیات	=	۳۰۸
ذاتی رباعیات	=	۱۸۲
فارسی رباعیات (متفرقہ)	=	۳۴
نعتیہ رباعیات	=	۱۸
حمدیہ رباعیات	=	۹
اخلاقی رباعیات	=	۲۰
فلسفیانہ رباعیات	=	۱۸
سماجی رباعیات	=	۱۵

رباعیات کے علاوہ مرزا دبیرؔ کے ۶۴ سے زیادہ مخمسات اور کئی مسدّس ''دفترِ ماتم'' کی انیسویں جلد میں ہیں۔ نوحہ جات اور الوداع کی تعداد چودہ (۱۴) سے زیادہ ہے۔ کئی قطعے اور تاریخی قطعات بھی شامل ہیں۔ شاگردوں کے مسدّس، مخمس، تضمینات ''دفترِ ماتم'' کی جلدوں میں شامل ہیں۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی

بے محل نہیں کہ یہ تمام جلدیں مرزا دبیرؔ کے بڑے بیٹے مرزا محمد جعفر اوجؔ کے زیرِ نگرانی شائع ہوئیں۔

جہاں تک مثنویات کا تعلق ہے، مرزا دبیرؔ کی دو مثنویاں! ''احسن القصص'' اور ''معراج نامہ'' جلد پانزدہم ۱۵ میں شائع ہوئیں۔ ایک مختصر سی مثنوی ''فضائل چہاردہ معصومین''، ''دفترِ ماتم'' کی بیسویں جلد میں شامل ہے۔ چوتھی غیر مطبوعہ مثنوی کا ذکر ڈاکٹر محمد زماں آزردہؔ اور پروفیسر اکبر حیدری نے کیا ہے۔ ان دونوں صاحبوں نے اس مثنوی کا مخطوطہ مرزا دبیرؔ کے پرپوتے محمد صادق صاحب کے پاس دیکھا اور کچھ اشعار نقل کیے۔ ہماری کوشش کے باوجود یہ مخطوطہ ہمیں دستیاب نہ ہو سکا۔

الف۔ مثنوی احسن القصص = مطبوعہ ''دفترِ ماتم'' پندرھویں جلد، بحرِ متقارب میں ہے۔ ۱۸۹۷ء میں شائع ہوئی۔ اشعار کی تعداد ۳۳۱۶ ہے۔

ب۔ مثنوی معراج نامہ = مطبوعہ ''دفترِ ماتم'' پندرھویں جلد، ۱۸۹۷ء میں شائع ہوئی۔ اشعار کی تعداد ۶۸۴ ہے۔

ج۔ مثنوی فضائلِ چہاردہ معصوم = مطبوعہ ''دفترِ ماتم'' بیسویں جلد، ۱۸۹۷ء میں شائع ہوئی۔ اشعار کی تعداد ۴۵ ہے۔

د۔ مثنوی غیر مطبوعہ = مخطوطہ، درزمانِ نادر شاہ (حالات)، صفحات ۳۲، عنوان نہیں ہے۔ اشعار کی تعداد ۵۳۰ ہے۔

راقم نے ''مثنویاتِ دبیرؔ'' ترتیب دی ہے، اس لیے اس گفتگو کو یہاں پر ختم کرتا ہوں۔

دبیرؔ کی مشہور مجالس:

۱۔ عزاخانہ غازی الدین حیدر شاہ = مرزا دبیرؔ کے شہرۂ کلام اور کمال کو سن کر بادشاہِ اودھ غازی الدین حیدر نے مرزا دبیرؔ کو اپنے عزاخانے میں پڑھوایا۔ مرزا صاحب نے منبر پر جا کر حمد و نعت اور منقبت میں ایک ایک رباعی پڑھی، پھر یہ بند پڑھا:۔

واجب ہے حمد و شکر جنابِ الٰہ میں   فضلِ خدا سے آیا ہوں کس بارگاہ میں
مجھ سا گدا اور انجمنِ بادشاہ میں   چرچا یہ لوگ کرتے ہیں اس وقت راہ میں
ذرّے پہ چشمِ مہر ہے مہرِ منیر کو
حضرت نے آج یاد کیا ہے دبیرؔ کو

پھر دبیرؔ نے مرثیہ پڑھا جس کا مطلع ہے ع: ''غمِ حسینؑ میں کیا آب و تاب ہے''

جب مرزا صاحب اُس موقعے پر پہنچے کہ جناب سکینہ، یزید کو مخاطب کر کے کہہ رہی تھی تو بادشاہ چیخیں مار کر رونے لگے۔ ؎

جب روز، کبریا کی عدالت کا، آئے گا	جبّار بادشاہوں کو پہلے بلائے گا
انصاف وعدل اُن سے بہت پوچھا جائے گا	تو آج داد دینے کی کل داد پائے گا
گل کر دیا ہے دونوں جہاں کے چراغ کو
لوٹا ہے تیرے عہد میں زہراؑ کے باغ کو

مرزا دبیر تو مرثیہ پڑھ کر چلے گئے، بادشاہ کو اپنا خیال آیا۔ رات بھر خوف سے نیند نہ آئی۔ بار بار کہتے رہے: مجھ سے سخت باز پرس ہوگی۔ سویرے آغا میر وزیر کو بلوا کر انصاف وعدالت کے باب میں بہت تاکید کی۔

۲۔ مرزا دبیر کی ولادت ۱۱ر جمادی اوّل ۱۲۱۸ ہجری کو ہوئی تھی۔ ہر مہینے گیارھویں تاریخ کو مرزا صاحب کے مکان پر مجلس ہوا کرتی تھی جس میں شاگردوں، اہلِ کمال وکلام، شاہزادوں، امراء اور عوام کا ہجوم ہوتا۔ مرزا صاحب کے مرنے کے بعد یہ مجلس ہر مہینے تیسویں کو ان کی قبر پر ہونے لگی۔

۳۔ ہر مہینے کی تیرھویں اور ماہ صفر کی اٹھارویں کو احمد علی خاں سوز خواں مرحوم کے یہاں بہت بڑی مجلس، دبیر پڑھا کرتے تھے۔ اُسی تاریخ اُسی وقت حیدر خاں صاحب کے پاس میر انیس پڑھا کرتے تھے۔ اس مجلس میں مرزا دبیر ہمیشہ ایک دو رباعیات بھی پڑھتے تھے۔ رباعیات: ؎

کیوں آج یہ انبوہِ کثیر آیا ہے	ہاں! حضرتِ مقبل کا نظیر آیا ہے
ہو گا مہِ چاردہ کا منبر پہ کمال	تاریخ ہے تیرھویں، دبیر آیا ہے
مضمون سے وہ معنی پر وضو نکلا	ٹھنڈا جس سے قمر کا پرتو نکلا
ہر مصرعِ کہنہ کی چمک پر یہ غل	اٹھارھویں تاریخ کو مہِ نو نکلا

چونکہ ان تاریخوں میں ہونے والی مجالس کے ساتھ کچھ حکایات مشہور ہیں، ہم اُس زمانے کے حالات اور انیس ودبیر کے احساسات کو قارئین کے ذہنوں میں روشن کرنے کے لیے کچھ حکایتیں پیش کرتے ہیں:

حکایت اوّل: جیسا کہ ہم نے ذکر کیا دبیر کی مجلس کے وقت میر انیس کی مجلس بھی ہوا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ بعض لوگوں نے راستے میں یہ افواہ اڑا دی کہ آج مرزا دبیر مجلس میں نہیں آئیں گے۔ اس افواہ سے متاثر ہو کر بہت سے لوگ میر انیس کی مجلس، جو حیدر خاں صاحب کے گھر ہوتی تھی، چلے گئے۔ کچھ لوگ جو اتفاق سے مرزا دبیر

کی مجلس میں پہنچے اور اس افواہ کا ذکر مرزا دبیرؔ سے کیا تو مرزا صاحب نے فی البدیہہ یہ رباعی پڑھی:۔

کس بزمِ ثواب میں حقیر آیا ہے سننے کو بھی انبوہِ کثیر آیا ہے
کیوں راہ میں بہکاتے ہیں مشتاقوں کو یہ کون ہے؟ جو نہیں دبیرؔ آیا ہے

حکایت دوم: تیرھویں تاریخ کی مجلس کا گھر چھوٹا تھا اور ہر شخص کی کوشش یہ تھی کہ منبر کے قریب بیٹھے۔ ایک سال کچھ لوگ دوسروں کو زیرِ پا کرتے ہوئے منبر کے قریب پہنچنے کی کوشش کرنے لگے۔ تکرار شروع ہوئی۔ قریب تھا کہ مار پیٹ تک نوبت آ جاتی لیکن لوگوں نے دونوں گروہوں میں صلح و آشتی کرا دی۔ اتنی دیر میں مرزا صاحب منبر پر خاموش بیٹھے رہے اور فی البدیہہ یہ رباعی کہہ لی:۔

دریائے ثواب میں تلاطم کیسا مجلس میں تاخر و تقدم کیسا
بے جا ہے غبار اشک باروں کے لئے پانی موجود ہے تیمم کیسا

حکایت ثالث: مجلسِ قتل گاہ: ایّامِ عزا میں یہی تیرہ تاریخ کی مجلس ۱۸ صفر کو ہوتی تھی اور خصوصیت سے اس میں کئی شہزادے اور نامور افراد اس لیے شرکت کرتے کہ یہ پچاسویں مجلسِ ایّامِ عزا ہوتی تھی۔ ایک وقت ایسا ہوا کہ میر انیسؔ کی مجلس جلد ختم ہو گئی۔ وہاں سے کئی لوگ اس مجلس میں آ گئے۔ جب گھر بھر گیا تو صاحب خانہ نے زنجیر لگا دی لیکن مجمعے نے زنجیر توڑ دی اور مجلس میں گھس آئے۔ کچھ لوگ پہلے سے کنویں پر بچھے پلنگ پر بھی بیٹھے تھے، چنانچہ بھگدڑ کی وجہ سے مرزا دبیر کو ان لوگوں کی سلامتی کی فکر ہوئی۔ وہ پورے قد سے منبر پر اتنی مدّت کھڑے رہے جب تک سارے مجمعے نے اُن آنے والوں کو اپنے پاس نہ بٹھا لیا۔ اِسی مدّت میں مرزا صاحب نے مجلس کو پوری طرح اپنی طرف کھینچ لیا اور یہ رباعیاں سنائیں:

یاں مجھ کو بچھانا تھا ضرور آنکھوں کا اس پردے میں تھا عین سرور آنکھوں کا
پر اب تو نہیں تل کے بھی رکھنے کی جگہ آنکھوں کے عوض بچھاؤں گا نور آنکھوں کا

ہر عضو سے سر بلند دو آنکھیں ہیں پر فرش کی ہو کمی تو لو آنکھیں ہیں
کس کس کے زیرِ پا بچھاؤں میں دبیرؔ ہم چشم بہت ہیں اور دو آنکھیں ہیں

۴۔ داروغہ میر واجد علی سحرؔ لکھنوی کے امام باڑے میں ہر سال اکیسویں رمضان کو مرزا صاحب پڑھا کرتے تھے۔ ان کا امام باڑہ وسیع تھا اور تمام اہلِ علم و کمال اور مشتاقوں سے بھر جاتا تھا۔

۵۔ نصیر الدین شاہ کی بیگم ملکہ زمانی کے یہاں زمانہ شاہی میں عشرۂ محرم میں بڑی مجلسیں دبیر پڑھا کرتے تھے۔ ان کے پاس سے دبیر کو ماہوار تنخواہ بھی ملتی تھی۔ ان کی بیٹی سلطان عالیہ شاعرہ تھیں جو ممتاز الدولہ کی بیگم تھیں۔ ''سلطان عالیہ'' مرزا دبیر کی شاگرد تھیں۔ ''دفترِ ماتم'' کی جلدوں میں ان کے تقریباً ۲۴ سلام موجود ہیں۔ خود ممتاز الدولہ بھی دبیر کے شاگرد تھے۔

۶۔ راجہ میوہ رام، جو شرف بہ اسلام ہو کر افتخار الدولہ بن گئے، اپنے امام باڑے میں رمضان کی شبوں کو مجالس کرتے تھے۔ مرزا دبیر اور میر ضمیر ان مجالس میں پڑھتے تھے۔ افتخار الدولہ بڑے سخی تھے۔ آخر عمر میں کربلائے معلیٰ جا کر امام حسینؑ کے روضے کے کلید بردار ہوئے اور وہیں سے جنت میں گئے۔ مرزا دبیر نے ان کی سخاوت پر یہ رباعی کہی ہے:۔

اس در پر ہر ایک شادمان رہتا ہے — خنداں گلِ امید یہاں رہتا ہے
ہر فصل میں دستِ افتخار الدولہ — نیساں کی طرح گہر فشاں رہتا ہے

۷۔ نواب حسینؑ علی خاں کے یہاں چہلم کی مجلسیں مرزا صاحب پڑھتے تھے، پھر ایک مجلس میر انیس اور ایک مجلس مرزا دبیر پڑھنے لگے۔ نواب صاحب خود بھی شاعر تھے اور ناسخ کے شاگرد تھے، اسی لیے شیخ ناسخ ان کی مجالس میں ضرور شرکت کرتے تھے۔

۸۔ میر باقر کے امام باڑے میں ہر مہینے کی پچیسویں (۲۵) کو مرزا دبیر مجلس پڑھتے تھے۔

۹۔ داروغہ وزیر خان کی کوٹھی میں ہر مہینے تیسویں (۳۰) کو مرزا دبیر مجلس پڑھتے تھے۔

۱۰۔ خواجہ سرا جواہر علی خاں کے یہاں گولا گنج میں ہر مہینے کی بارھویں (۱۲) کو دبیر مجلس پڑھتے تھے۔

۱۱۔ واجد علی شاہ پنجم اودھ کے یہاں عشرۂ محرم میں مرزا دبیر پڑھا کرتے تھے۔

مرزا احسن لکھنوی ''واقعاتِ انیس'' میں لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب ملکہ کشور والدۂ واجد علی شاہ مرحوم کی مجلس میں پڑھنے کو قبائے درباری پر عمامہ باندھے ہوئے گئے اور میر انیس صاحب سادہ لباس سے گئے۔ اوّل مرزا صاحب نے جا کر حسبِ مقتضائے وقت، بادشاہِ اودھ کی مدح میں کچھ نظم پڑھی، پھر میر انیس نے منبر پر جا کر میر مونس کا یہ سلام پڑھا:

غیر کی مدح کریں شہ کے ثنا خواں ہو کر — مجرائی اپنی ہوا کھوئیں سلیماں ہو کر

ثابت لکھنوی، مرزا دبیر کے فرزند اوجؔ کے قول سے لکھتے ہیں کہ مرزا صاحب مدۃ العمر کبھی کسی رئیس یا بادشاہ

کے یہاں لباس درباری سے نہیں گئے۔ یہ بہتانِ عظیم ہے اور ملکہ کشور مرحومہ کی مجلس میں تو انہوں نے عمر بھر کبھی مرثیہ ہی نہیں پڑھا۔

شادؔ عظیم آبادی لکھتے ہیں: یہ محض غلط ہے کہ نواب علی نقی صاحب مرحوم نے مرزا صاحب اور میر صاحب کو بہ یک وقت مجلس میں پڑھوایا، البتہ تین مجلسیں مرزا صاحب اور دو مجلسیں میر صاحب نے پڑھیں جن میں واجد علی شاہ الگ بیٹھے رہے۔ نواب ممدوح کی زبانی میں نے اپنے واجب الاکرام سے سنا کہ وزیر ممدوح کو میر صاحب کا کلام زیادہ پسند تھا۔ مرزا صاحب شالی شملہ پہن کر درباری لباس میں منبر پر گئے۔ اگر چہ میر انیسؔ صاحب کو اس امر کی اطلاع دے دی گئی تھی کہ حضرت واجد علی شاہ خود شریک محفل ہوں گے لیکن میر صاحب نے اپنی ضد رکھی اور ایک بستہ دبا ٹوپی پہنے چلے آئے۔

۱۲۔ میر ضمیرؔ مجلس سرائے معالی خان میں ماہوار مجلس کرتے تھے جسے مرزا دبیرؔ پڑھتے تھے۔

۱۳۔ میر ضمیرؔ صاحب کی سوئم کی مجلس بھی میر انیسؔ کے اصرار پر مرزا صاحب ہی نے پڑھی۔

مرثیوں کی حکایات

اگر چہ مرزا دبیرؔ کا ہر مرثیہ اہم اور مشہور تھا لیکن بعض مرثیوں سے مربوط کچھ حکایتیں ہیں:

۱۔ ع: ''بانو پچھلے پہر اصغرؑ کے لیے روتی ہے''

یہ مرثیہ مرزا دبیرؔ کا پہلا مرثیہ ہے جو بہت مشہور ہوا تھا اور آج بھی حضرت علی اصغرؑ کے حال کا مشہور بین کا مرثیہ ہے۔ ع:

۲۔ ''داغِ غمِ حسینؑ میں کیا آب وتاب ہے''

یہ مشہور مرثیہ مرزا دبیرؔ نے بادشاہ غازی الدین شاہ کے امام باڑے میں ان کی موجودگی میں پڑھا جس میں بادشاہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ اس مرثیے کی مشہور بیت یہ ہے:

جب روز کبریا کی عدالت کا آئے گا   جبّار بادشاہوں کو پہلے بلائے گا

۳۔ ع: ''ذرہ ہے آفتاب درِ بوترابؑ کا''

یہ وہی مرثیہ ہے جو مرزا دبیرؔ نے رمضان کی مجلس میں نواب افتخار الدولہ کے امام باڑے میں پڑھا تھا اور اسی مرثیے کے بعد دبیرؔ اور ضمیرؔ میں رنجش پیدا ہوگئی تھی۔

۴۔ ع: ''اے عرشِ بریں! تیرے ستاروں کے تصدّق''

یہ مرثیہ مرزا دبیر نے وزیرِ اودھ نواب علی نقی صاحب کے یہاں پڑھا تھا اور اس مجلس میں بادشاہ موجود تھے۔
اسی مرثیے کے بعد دبیر کو ضمیر نے گلے لگایا اور پھر دونوں میں صفائی ہوگئی۔

۵۔ ع: معراج سخن کو ہے مرے، ذہن رسا سے
ناسخ نے اسی مرثیے کی بیت سن کر دبیر کی بڑی تعریف کی تھی۔۔
یاں پنجۂ مریم کہوں پنجے کو پلک کے گہوارے میں عیسیٰ کو سلاتی ہیں تھپک کے

۶۔ ع: ''مقتل ہے چمن، فصلِ بہاری کی ہے آمد''
یہ وہ عمدہ مرثیہ ہے جسے دبیر نے ۱۸۷۲ء میں امام باڑہ سوداگر لکھنؤ میں پڑھا تھا۔ اس مجلس میں ہجوم اور ازدحام کا یہ عالم تھا کہ لوگ چھتوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

۷۔ ع: ''اے طبعِ دلیر! آج دکھا شیر کے حملے''
یہ وہ معرکہ آرا مرثیہ ہے جسے علامہ جائسی نے طلب کیا۔ مرزا دبیر نے کہا: جس دن آپ وطن روانہ ہوں گے، یہ مرثیہ مل جائے گا، چنانچہ جب علامہ اپنے وطن روانہ ہو رہے تھے، شہر لکھنؤ کے باہر مرزا دبیر پالکی میں منتظر تھے، چنانچہ انھوں نے علامہ جائسی کو حسبِ وعدہ مرثیہ دے دیا۔

۸۔ ع: ''مہر علم سرورِ اکرم ہوا طالع''
یہ وہ غیر منقوط مرثیہ ہے جس کو سن کر خواجہ حیدر علی آتش نے کہا تھا: ''یا فیضی کی تفسیر سنی تھی یا آج یہ غیر منقوط مرثیہ۔''

۹۔ ع: ''کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے''
یہ وہ عظیم تصنیف ہے جس کے حاصل کرنے کے لیے نواب محسن الدولہ نے یہ اعلان کیا تھا کہ جو یہ اصلی مرثیہ انھیں لا کر دے گا، اُسے پانچ سو روپیہ انعام دیا جائے گا۔ آخر کار خود مرزا دبیر نے ایک صاحب حاجت کو یہ مرثیہ دیا کہ وہ انعام میں پانچ سو روپے حاصل کر سکیں۔

۱۰۔ ع: ''جوشن ہیں دو، پر ایک صغیر اک کبیر ہے''
(یہ مطلع ثانی مرثیہ ع: ''پرچم ہے کس علم کا شعاعِ آفتاب کی'')
یہ وہ مرثیہ ہے جو مرزا دبیر نے بنارس میں انیسویں (۱۹) کے درمیان پڑھا۔ پہلے تو کچھ ہمت افزائی نہ ہوئی کیوں کہ سب خاموش بیٹھے تھے لیکن جب مرزا صاحب نے کہا کہ آج بخدا آپ سب افراد کو رلاؤں گا اور

جب بین کے بند پڑھے تو حاضرین تاب نہ لا سکے اور اتنا گریہ کیا کہ کئی افراد پر غش طاری ہو گیا۔

مسافرت: جب تک اودھ کی سلطنت باقی تھی مرزا صاحب لکھنؤ سے باہر نہیں گئے۔ باہر سے بلاوے آئے مگر ہمیشہ انکار کرتے رہے۔ جب کوئی انکار کا سبب پوچھتا تو کہتے کہ ہماری زبان کو جاننے والے یا دہلی میں ہیں یا لکھنؤ میں، تیسری جگہ یہ بات کہاں، لیکن جب ۱۸۵۷ء میں غدر ہوا اور شہر لکھنؤ آشوب کی نذر ہوا تو مرزا صاحب میر انیسؔ کی طرح لکھنؤ سے باہر گئے۔ میر انیسؔ نے کہا تھا:۔

افسوس! زمانے کا عجب طور ہوا — کیوں چرخِ کہن! نیا یہ کیا دور ہوا
گردش کب تک، نکل چلو جلد انیسؔ! — اب یاں کی زمیں اور، فلک اور ہوا

مرزا دبیرؔ نے میر انیسؔ اور اپنے دل کو تسکین دیتے ہوئے کہا:

کس عہد میں تبدیل نہیں دور ہوا — گہ عدل، گہے ظلم، گہے جور ہوا
اللہ وہی ہے، تو نہ مضطر ہو دبیرؔ! — کیا غم جو زمیں اور، فلک اور ہوا

سیتاپور ۱۸۵۷ء: غدر کے انتشار سے تنگ آ کر مرزا دبیرؔ اپنے اہل و اعیال کے ہمراہ سیتاپور گئے اور وہاں اپنے دوست سید سلامت علی کے گھر پر مقیم ہوئے۔ اسی زمانے میں ایک پُر درد رباعی بھی کہی تھی:۔

شطِ رنج دورنگی سے ہیں ششدر بندے — آوارہ ہیں شہر شہر، در در بندے
اے بندہ نواز ہے تعجب کا محل — تو مالکِ ملک اور بے گھر بندے

حکایت: مرزا دبیرؔ کے سیتاپور کے قیام کے دوران ایک فقیرنی بڑھیا نے مرزا دبیرؔ کی شہرت سن کر ان سے خواہش کی کہ اُس کے گھر مجلس پڑھیں۔ مرزا دبیر جیسے فقیر منش سلطانِ مرثیہ نے اُس بڑھیا کے گھر مرثیہ پڑھا، جو مدتوں مشہور ہوئی۔

کانپور: ۱۸۵۸ء میں نواب دولھا صاحب کی دعوت پر کانپور گئے۔ اُس زمانے کی یہ رباعی یادگار ہے:

اس بزم میں اربابِ شعور آئے ہیں — یہ شیعہ ہیں یا آیۂ نور آئے ہیں
پڑھ مرثیہ! لے دادِ سخن ان سے دبیرؔ! — کیا کیا حضرات کانپور آئے ہیں

الٰہ آباد: ۱۸۵۹ء میں مرزا دبیرؔ الٰہ آباد گئے اور کم از کم ایک مجلس مرزا علی اکبر مرحوم کے گھر پڑھی۔ الٰہ آباد کے باشندوں کی مدح اور تعریف میں فارسی کی رباعی یادگار ہے:

اس محفلِ عالی کی جناں بنیاد است — دربارِ رسولؐ و ائمہ الامجاد است
جمع اند محبانِ حسینؑ ابن علیؑ — ایں بزم ز خاصانِ الٰہ آباد است

بنارس: کسی ایرانی تاجر کی بنا کردہ مجلس میں مرزا دبیر نے مرثیہ پڑھا جس کا مطلع ہے:۔
ع: ''پرچم ہے کس علم کا، شعاعِ آفتاب کی''۔۔۔ کیوں کہ اہلِ مجلس ایسے تھے، پہلے خاموش رہے لیکن جب دبیر نے آخری تین بند پڑھے تو وہ روتے روتے غش کر گئے۔

فیض آباد: مرزا دبیر، نواب نادر مرزا نیشاپوری کی دعوت پر دو برس تک فیض آباد مرثیہ پڑھنے جاتے رہے۔ بقول شاد عظیم آبادی: غلام عباس نامی شخص نے میر انیس کے ساتھ دشمنی کے سبب نواب نادر مرزا کے پاس مرزا دبیر کو طلب کرایا اور میر انیس دو سال تک خانہ نشین رہے، چنانچہ اس کے بعد میر انیس نے فیض آباد چھوڑ کر شہر لکھنؤ کو اپنی سکونت بنایا۔

عظیم آباد (پٹنہ): مرزا دبیر مسلسل ۱۹ برس عظیم آباد مرثیہ پڑھنے کے لیے جاتے رہے۔ امام باندی بیگم صاحب، دبیر کی بڑی عزت کرتی تھیں۔ آٹھ ہزار روپے نذرانے کے علاوہ خلعت و زادِ راہ علیحدہ دیا کرتی تھیں۔ امام باندی بیگم نے امور فدیہ کے لیے اپنی کل املاک وقف کر دی اور وقف نامے میں مرزا دبیر کے خاندان کو نسلاً بعد نسل عشرۂ محرم پڑھنے کے لیے مقرر کیا، جو مرزا دبیر کے پرپوتے مرزا صادق مرحوم تک جاری رہا۔ عظیم آباد کی قدر دانی کے لیے دبیر کی یہ فارسی کی رباعی کافی ہے:۔

ایں شہر بخاطر ملولاں شاد است
معمورۂ خلق و حلم و عدل و داد است
ہر فرد بشر دفتر خلق است دبیر
ایں شہر ز اخلاق عظیم آباد است

کلکتہ: نوجوان فرزند مرزا ہادی حسین عطارد اور بڑے بھائی مرزا محمد نظیر کے انتقال کے بعد دبیر کی بصارت بہت کمزور ہو گئی تھی، چنانچہ جب واجد علی شاہ کی آنکھوں کو بنانے کے لیے ۱۸۷۴ء میں جرمن سے ڈاکٹر آئے تو دبیر بھی مٹیا برج کلکتہ گئے اور اپنی آنکھیں بنوائیں اور بصارت بڑی حد تک ٹھیک ہو گئی، چنانچہ اس واقعے اور سفر پر بھی ایک فارسی رباعی یادگار ہے:۔

امدادِ علی گاہ خفی، گاہ جلی ست
بر من ز ازل عین عنایاتِ ولی ست
چوں مادہ دفع شد، گفتم تاریخ
چشم بد ۵۰ دور عینِ اعجازِ علی ست ۱۲۹۱ ہجری

بیماری: مرزا صاحب کو ادھیڑ عمر سے ناک کے پروں کے دانوں (Nasel Polyps) کی شکایت تھی جس کی وجہ سے ناک سے سانس لینے میں دشواری تھی اور بعض اوقات اس کا اثر ان کی آواز پر بھی ہو جاتا تھا۔ زندگی کے آخری چند سالوں میں بینائی بھی کمزور ہو چکی تھی، چنانچہ مرنے سے چند مہینے قبل کلکتہ جا کر ولایتی ڈاکٹر سے آنکھیں بنوائی تھیں۔

مرض الموت: اگرچہ مرزا صاحب مختلف عوارضِ بدنی کی وجہ سے کمزور اور نحیف ہو گئے تھے لیکن ان کے قوائے فکری مستحکم تھے۔ آخری دو سال میں تین بڑے صدموں سے بڑی حد تک افسردہ ہو چکے تھے۔ پہلا صدمہ ۱۲۹۰ ہجری میں محمد ہادی حسین عطارد کا عین شباب میں بیس (۲۰) سال کی عمر میں ناگہاں تخمہ (gasteroentritis) کر کے انتقال کرنا تھا۔ دوسرا بڑا صدمہ بڑے بھائی مرزا غلام محمد نظیر کا ۱۲۹۱ ہجری میں انتقال تھا اور تیسرا صدمہ ۱۲۹۱ ہجری میں آفتابِ سخن میر ببر علی انیسؔ کا انتقال تھا۔ مرزا صاحب میر صاحب کے انتقال کے تقریباً نوے (۹۰) دن بعد انتقال کر گئے۔ مرزا صاحب نے شاید اپنی زندگی کا جو آخری قطعہ لکھا، اس کا آخری شعر میر انیسؔ کی تاریخ سے مربوط ہے۔ اس سے تاریخ ۱۲۹۱ ہجری نکلتی ہے۔ ؎

آسماں بے ماہِ کامل، سدرہ بے روح الامیں
طورِ سینا بے کلیم اللہ، منبر بے انیسؔ

بہر حال، ان صدموں سے مرزا دبیرؔ جانبر نہ ہو سکے۔ مرض الموت اختلاجِ قلب اور عارضۂ ورمِ کبد کی شکایت بڑھتی گئی اور دوا بے اثر ہوئی۔

انتقال: ۳۰ محرم الحرام ۱۲۹۲ ہجری، قریب صبح صادق، اپنے معبودِ حقیقی سے جا ملے۔ مرزا دبیرؔ نے جو دعا کی تھی، وہ مستجاب ہوئی۔ انتقال سے کچھ دن قبل جو رباعی کہی تھی، وہ موت کی پیشین گوئی ثابت ہوئی: رباعی ؎

جب مصحفِ ہستی مرا برہم کرنا
سی پارۂ ایامِ محرم کرنا
برباد نہ جائے مری خاک، اے گردوں!
تیار چراغِ بزمِ ماتم کرنا

جلوسِ جنازہ: ۳۰ محرم کو بڑی شان سے جنازہ نکلا۔ ہزاروں لوگ جنازے میں شریک تھے۔ ''اودھ اخبار'' لکھنؤ نے لکھا: تمام عمائد و امرا اور ہزار ہا اشخاص لکھنؤ کے، اس خبرِ وحشت کو سن کر جوق در جوق دبیرؔ مرحوم کے مکان پر چلے

آتے ہیں۔ گریہ و بکا سے سب کا حال تباہ تھا۔ ثابت لکھنوی کہتے ہیں: جنازے کے ساتھ علما و صلحا و شعرا تھے اور اکثر دبیر کی یہ رباعی پڑھتے ہوئے روتے چلے جاتے تھے: رباعی۔

رحمت کا تری امیدوار آیا ہوں　　منہ ڈھانپے کفن سے، شرم سار آیا ہوں
چلنے نہ دیا بارِ گناہ نے پیدل　　تابوت میں، کاندھے پہ سوار آیا ہوں

تجہیز و تکفین: دریا پر میت کو غسل دیا گیا۔ جناب سیّد ابراہیم صاحب قبلہ نے نمازِ جنازہ پڑھوائی۔ اپنے ہی گھر کے حجرے میں دفن ہوئے۔ مرزا دبیر کی سوم کی مجلس میر باقر کے امام باڑے میں ہوئی۔ ممتاز الدولہ اس مجلس میں شریک تھے۔ مرزا اوج نے رباعیات، سلام اور تاریخی قطعہ پڑھا۔

تعزیاتی پیامات: ہندوستان بھر کے اخباروں، جریدوں اور رسالوں نے مرزا دبیر کی وفات کی خبر شائع کی، مرزا دبیر پر صحافتی مکالمے، مضامین، تعزیتی پیغامات، نظمیں اور تاریخی قطعات شائع کیے۔ قاضی عبدالودود نے ''معاصر'' کے ۱۹۳۷ء کے شمارے میں ''مرگِ دبیر'' کے زیرِ عنوان صرف ''اودھ اخبار'' لکھنؤ میں شائع ہونے والی خبروں کو ایک جامع مضمون کے طور پر پیش کیا ہے۔ ہم صرف چند سطریں اس مقام پر پیش کرتے ہیں:

''ہیہات! ہیہات! صد ہزار حیف! کہ اقلیمِ سخن لٹ گئی۔ آفتابِ کمال غروب ہو گیا۔ مرثیہ گوئی کا خاتمہ بالخیر ہوا، یعنی افصح الفصحا، ابلغ البلغا، سحبانِ زمان، طوطیِ ہندوستان، شاعرِ بے نظیر جناب مرزا دبیر نے وقفِ اندوہِ انیس ہو کر شمع ساں اپنے جسمِ ناتواں کو گھلا دیا اور آخر کار چند روز بے آب و دانہ رہ کر امراضِ ورمِ کبد وغیرہ میں اس عندلیبِ معانی نے گلزارِ قدس کا راستہ لیا۔ اس واقعۂ حسرت ناک سے تمام لکھنؤ میں کہرام مچا ہے۔ ہر کہ و مہ کی جان پر وہ سخت صدمہ ہے کہ جس کا بیان قلم اندوہ سے رقم نہیں ہو سکتا۔''

مقبرہ: ثابت لکھنوی لکھتے ہیں: مقبرہ ایک چھوٹا سا مکان ہے۔ مرزا صاحب کے فدائیوں میں داروغہ میر واجد علی صاحب تسخیر، ڈپٹی مرزا عباس بیگ صاحب اور نواب آغا علی صاحب تھے جنھوں نے مرزا اوج صاحب سے بار بار خواہش کی کہ ہم پختہ مکان عالی شان مقبرہ کا بنوا دیں گے مگر مرزا اوج نے منظور نہیں کیا۔

حکایت: مرزا دبیر کے ایک معتقد، جو گولہ گنج لکھنؤ میں مقیم تھے، زبردستی ایک ہزار روپیا مرزا اوج صاحب کی پالکی میں رکھ کر کہنے لگے: اگر آپ یہ روپیا لے کر مقبرہ نہ بنوائیں گے تو میں اپنا خون کرلوں گا۔ مرزا اوج اُس وقت تو توڑا لے آئے لیکن دو تین روز بعد وہ توڑا یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ مرزا صاحب کی وصیت مانع ہے۔

راقم، خاکم بدہن! اس طرزِ فکر کا حامی نہیں۔ جب ائمۂ معصوم کے روضے چاہنے والوں کی رقم سے بن سکتے

ہیں تو ان کے غلاموں کے مقبرے بھی تعمیر ہو سکتے ہیں۔ اگر اوجؔ مرحوم اجازت دیتے تو آج دبیر کا مقبرہ عالی شان اور سجدہ گاہِ عاشقاں ہوتا۔ مرحوم اوجؔ نے نہ خود بنوایا نہ بنوانے والوں کی مدد کی، جس کا نتیجہ ہے کہ یہ مقبرہ آج شکستہ حالت میں کوچۂ دبیرؔ میں موجود ہے جہاں ہر شخص آزادانہ طور پر چادرِ گل بھی چڑھا نہیں سکتا۔ اگر عاشقانِ دبیرؔ اس طرف توجہ نہ کریں تو شاید یہ نشانِ قبر میر تقی میرؔ کی قبر کی طرح مٹ جائے۔

قطعۂ وفات: ا۔ اوجؔ لکھنوی کے قطعے کا آخری شعر جس سے تاریخِ وفات نکلتی ہے:۔

مصرعِ تاریخِ نوتش منشیِ گردوں نوشت ۔۔۔ آسماں بے مہر و دیہم فصاحت بے دبیرؔ

۱۲۹۲ ہجری

۲۔ منیرؔ شکوہ آبادی:۔

منیرؔ! سال و مہ و روز و وقتِ تاریخش ۔۔۔ پگاہ و سلخ سہ شنبہ مہِ عزا بودہ

۳۔ ایضاً:۔

سالِ ہجری و مسیحی نظم کردم اے منیرؔ! ۔۔۔ بے نظیرِ دہر یکتا بود ایں استادِ فن

۱۸۷۵ء ۔۔۔ ۱۲۹۲ ہجری

۴۔ ایضاً:۔

تیجے کی بھی تاریخ منیرؔ! آئی میرے ہاتھ ۔۔۔ روح القدس، عرش معانی کا سوم ہے

۱۲۹۲ ہجری

۵۔ ایضاً:۔

منیرؔ سوگ نشیں نظم کرو تاریخش ۔۔۔ بلند فکر، مفید ائمۂ سخن آہ

۱۲۹۲ ہجری

۶۔ منشی محمد مرزا جان:۔

لکھی فلک کی شکایت میں اس طرح تاریخ ۔۔۔ غمِ انیسؔ میں، ہے ہے! دیا دبیرؔ کا غم

۷۔ جناب افضل حسین ثابت لکھنوی مصنف "حیاتِ دبیرؔ":۔

آسماں بے ماہِ تاباں، سدرہ بے روح الامیں ۔۔۔ طور بے موسیٰ، ادب بے شمع، منبر بے دبیرؔ

۱۲۹۲ ہجری

۸۔ اسیر لکھنوی:۔

اسیر از غیب تاریخش شنیدم
دبیر از ہند سوے کربلا رفت

۱۲۹۲ ہجری

۹۔ محمد حسن فائز بناری:۔

مصرع تاریخ رحلت فائز محزوں نوشت
اوج گردوں بے عطارد، فوق منبر بے دبیر

۱۲۹۲ ہجری

۱۰۔ محمد جان شاد:۔

کیوں نہ تاریک ہو جہاں پے سال
گل ہوئی شمع مرثیہ گوئی

۱۲۹۲ ہجری

۱۱۔ حکیم محمد لطیف اللہ:۔

شاہِ نجف از راہِ عنایت فرمود
دُرِ نجفم دَرِ نجفم شد جاگیر

۱۲۔ عبدالحیٔ آسی:۔

پرسیدم از دبیر فلک حالِ رحلتش
پیوستہ آں بہ رحمت حق گفت سال او

۱۲۹۲ ہجری

۱۳۔ ہدایت اللہ خان ہدا:۔

سالِ تاریخش چو جستم از فلک آمد ندا
سدرہ بے روح القدس بیند و منبر بے دبیر

۱۴۔ سید حسن لطافت:۔

ہاں! الم سے سر اٹھا! تاریخ لکھ دے تخرجہ!
باغ بے بلبل ہے ہندستاں۔ لطافت بے دبیر

۱۵۔ منشی فدا علی فارغ:۔

منظور ہو تو مصرع تاریخ یوں بھی ہے
طے ہو چکا دبیرِ محقق پہ مرثیہ

۱۶۔ فارغ : ع: مرزا دبیر مر گئے ہیہات! ناگہاں (۱۲۹۲ھ)

۱۷۔ فارغ : ع: دبیر کیا گیا، مجلس سے مرثیہ ہی گیا (۱۲۸۲ فصلی)

۱۸۔ فارغ : ع: گئے اس دارالانشا سے دبیر ذو درس ہے ہے! (۱۲۹۲ ہجری)

۱۹۔ فارغؔ : ع: مرزا دبیرؔ سحر بیاں مرگئے افسوس (۱۲۸۲ فصلی)

۲۰۔ فارغؔ : ۔ : سال تاریخ سنو فارغ خستہ تن سے مرثیہ ہی گیا ہم پائے دبیرؔ راوی (۱۲۹۲ھ)

۲۱۔ فارغؔ : ع: شد دبیرؔ پاک بیں از دار الانشائے الم (۱۲۸۲ فصلی)

۲۲۔ فارغؔ : ع: ہے ہے! دبیرِ مرثیہ گو مرگئے (۱۲۹۲ ہجری)

۲۳۔ نامعلوم ع: پورا کیا دبیرؔ نے وادیٔ مرثیہ (۱۲۹۲ ہجری)

۲۴۔ نامعلوم ع: جلوۂ مرثیہ تمام ہوا (۱۲۹۲ ہجری)

۲۵۔ نامعلوم ع: ذاکر سیّد دیں بود دبیرؔ (۱۲۹۲ ہجری)

۲۶۔ نامعلوم ع: روح ملک مرثیہ بود دبیرؔ (۱۲۹۲ ہجری)

۲۷۔ میر وزیر علی نورؔ لکھنوی: ۔

از فلکِ نورؔ ندا: بہر سنش آمد شہِ اقلیمِ سخن بود بدنیا اے آہ!

۲۸۔ شیخ فدا حسین فداؔ: ۔

فداؔ! یہ میں نے سنی منشیٔ فلک کی صدا غمِ دبیرؔ سے پیدا ہیں اشکِ کلکِ سیاہ

۲۹۔ غلام سرور لاہوری : ۔

دبیرِ سخن گو چو رفت از جہاں بتاریخ آں مرد روشن ضمیر
عیاں گشت ''توقیرِ ہندوستان'' دوبارہ ''سخن گوے رنگیں دبیرؔ''

۱۲۹۲ ہجری ۱۲۹۲ ہجری

۳۰۔ محمودؔ لکھنوی: ۔

لکھتا ہوں جو سال رحلت ان کا محمودؔ محفل میں، دبیرؔ کو قلم روتا ہے

۳۱۔ نخبیرؔ لکھنوی: ع:

سدرہ، بے جبریل کوہِ طور، منبر بے دبیرؔ ۱۲۹۲ ہجری

مرزا دبیؔر یکتائے فن زماں

ف ۱: مرزا دبیر اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس نے اُردو شعرا میں سب سے زیادہ شعر کہے۔ دبیؔر کے مطبوعہ اشعار کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار (۱،۲۰،۰۰۰) سے زیادہ ہے۔

ف ۲: مرزا دبیر اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس نے سب سے زیادہ مرثیے لکھے۔ مرزا دبیؔر کے مطبوعہ مرثیوں کی تعداد (۳۹۰) اور غیر قلمی مطبوعہ مرثیوں کی تعداد (۲۸۵) یعنی کل مرثیوں کی تعداد (۶۷۵) ہے۔

ف ۳: مرزا دبیؔر اُردو کا تنہا شاعر ہے جس نے سب سے زیادہ رباعیاں کہی ہیں۔ مرزا دبیر کی رباعیات کی تعداد (۱۳۳۳) ہے۔

ف ۴: مرزا دبیؔر اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس نے سب سے زیادہ الفاظ استعمال کیے۔ ہم نے نظیر اکبرآبادی کی کلیات، جس میں تقریباً ساڑھے آٹھ ہزار اشعار ہیں، کھنگالا تو معلوم ہوا کہ یہ روایتی اور رعایاتی جملہ، کہ نظیر اکبرآبادی نے سب سے زیادہ اُردو کے الفاظ استعمال کیے ہیں، بالکل بے بنیاد اور غلط ہے۔ انیس اور دبیر کے مقابل نظیر کے الفاظ کی تعداد بہت کم ہے۔ ہم اس موضوع پر گفتگو کو کسی اور مقام پر تفصیل سے بیان کریں گے۔

ف ۵: مرزا دبیؔر اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے، جس نے صنعتِ منقوط یا مہملہ میں سب سے زیادہ اشعار کہے۔ انشاءاللہ خان انشا، جو دبیر کے سگے نانا خسر ہوئے تھے، ان کے غیر منقوط اشعار، دبیؔر سے تعداد میں کم ہیں۔

ف ۶: مرزا دبیؔر اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس کی آمدنی لاکھوں روپوں تک تجاوز کر گئی تھی اور وہ سب اہلِ حاجت میں تقسیم ہوتی تھی۔

ف ۷: مرزا دبیؔر اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے جس نے علمِ بدیع کی لفظی اور معنوی صنعتوں کو سب سے زیادہ استعمال کیا ہے۔

ف ۸: مرزا دبیرؔ اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے، جس کے حسب نسب، کسب، مذہب، حیات، فن، شخصیت پر حملے کیے گئے اور بعض حملے دوست، استاد اور شاگردوں کی جانب سے ہوئے۔

ف ۹: مرزا دبیرؔ اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے، جس کے دوست دبیریے اور مخالف انیسیے شدید تھے۔ اُردو ادب نے ایسی چشمک نہیں دیکھی، اگرچہ خود دبیرؔ اور انیسؔ کے دل ایک دوسرے سے صاف تھے اور ایک دوسرے کی قدر کرتے تھے۔

ف ۱۰: مرزا دبیرؔ اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے، جس نے نثری کتاب ''ابواب المصائب'' کے علاوہ شاعری کی ہر ہیئت اور صنف، یعنی غزل، نظم، قصیدہ، مثنوی، قطعہ، مخمس، مسدّس، تاریخ، رباعی، سلام، مرثیہ، شہر آشوب اور تضمین میں شاہکار چھوڑے ہیں۔

ف ۱۱۔ مرزا دبیرؔ اُردو کا وہ تنہا شاعر ہے، جس نے اپنی وفات کی تاریخ کی دعا مانگی اور وہ مستجاب ہوئی۔ دبیرؔ کا انتقال ۳۰ محرم ۱۲۹۲ ہجری کو ہوا:۔

جب مصحفِ ہستی مرا برہم کرنا ۔۔۔ سی پارۂ ایامِ محرم کرنا
برباد نہ جائے مری خاک اے گردوں! ۔۔۔ تیار چراغِ بزمِ ماتم کرنا

مقامِ دبیؔر مشاہیرِ سخن و ادب کی نظر میں

(۱) مرزا غالب: مرثیہ گوئی مرزا دبیر کا حق ہے، دوسرا اس راہ میں قدم نہیں اٹھا سکتا۔ (صفیر بلگرامی)

یہ حصہ دبیؔر کا ہے۔ وہ مرثیہ گوئی میں فوق لے گیا۔ ہم سے آگے نہ چلا گیا۔ ناتمام رہ گیا۔

(امجد علی اشہری)

ہندوستان میں انیسؔ اور دبیؔر جیسا مرثیہ گو نہ ہوا ہے نہ آیندہ ہوگا۔ (حالؔی)

(۲) شیخ ناسخ: مرزا دبیر کے اس شعر کو سن کر فرمایا: سلامت علی سا طبیعت دار خلاقِ مضامین نہ ہوا ہے، نہ ہوگا۔

یاں پنجۂ مریم کہوں پنچے کو پلک کے ... گہوارے میں عیسیٰ کو سلاتی ہیں تھپک

(۳) خواجہ آتش: مرزا دبیؔر کے غیر منقوط مرثیے کو سن کر کہا: کبھی فیضی کی غیر منقوط تفسیر سنی تھی اور اب سلامت علی کا یہ غیر منقوط مرثیہ۔ مرثیہ = ''کو ورقیم پر جو علیؑ کا گزر ہوا'' سن کر کہا: ارے میاں! ایسے مضامین کہو گے تو مرجاؤ گے یا خون تھوکو گے۔

(۴) میر انیس: انیسؔ کے دل میں دبیؔر کی بڑی عزت تھی۔ میر انیسؔ کا بیان ہے کہ والد کے سامنے کوئی شخص صراحتہً یا کنایۃً مرزا دبیؔر کی تنقیص نہیں کر سکتا تھا، اسی طرح مرزا دبیؔر کے یہاں کسی کی مجال نہ تھی کہ میر انیسؔ پر بے جا حملہ کرے۔ دونوں ایک دوسرے کی نسبت فرماتے تھے کہ ایسا صاحبِ کمال شاید پھر پیدا نہ ہو۔ جب کسی سائل نے یہ سمجھ کر کہ میر انیسؔ خوش ہوں گے، مرزا دبیؔر کی تنقیص کی تو میر انیسؔ نے انھیں دو روپے تھما کر فرمایا: سید صاحب! مرزا دبیؔر نے میرا کیا بگاڑا ہے! وہ آپ کے جدّ کا مرثیہ کہتے ہیں۔ کیا کریں؟ میری خاطر مرثیہ کہنا ترک کر دیں۔ خبردار! اگر دوبارہ مرزا صاحب کی تنقیص میرے سامنے کی۔''

(۵) مجتہد العصر علامہ حائری: مرزا دبیؔر کا اعزاز ان کے کمال کے سبب خاندانِ اجتہاد میں تھا۔ وہ سید نقی صاحب قبلہ خلف سید العلما کی مجلس میں پڑھا کرتے تھے جس میں تمام مجتہدین اور لکھنؤ کے اہلِ کمال شریک ہوتے تھے۔ یہ

عزت تمام اعزازوں پر فوقیت رکھتی ہے۔

(۶) میر ضمیر لکھنوی: ؎ پہلے تو یہ شہرہ تھا ضمیر آیا ہے اب یہ کہتے ہیں استادِ دبیر آیا ہے

(۷) مفتی میر عباس صاحب: میر انیس کا کلام فصیح و شیریں ہے، مرزا صاحب کا کلام دقیق اور نمکین، پس! جب ایک دوسرے کا ذائقہ مختلف ہے تو ایک دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

(۸) مرزا رجب علی بیگ سرور مؤلف "فسانۂ عجائب": مرثیہ گو بے نظیر، میاں دلگیر صاف باطن نیک ضمیر خلیق، فصیح، مرد مسکین، مکروہاتِ زمانہ سے کبھی افسردہ نہ دیکھا۔ اللہ کے کرم سے ناظم خوب، دبیر مرغوب، بارِ احسان، اہلِ دوَل کا نہ اٹھایا۔

(۹) واجد علی شاہ: ؎ بچپن سے ان کے دامِ سخن میں اسیر ہوں میں کم سنی سے عاشقِ نظمِ دبیر ہوں

(۱۰) میر صفدر حسین مؤلف "شمس الضحیٰ": مرزا دبیر کی شہرت ہندوستان سے نکل کر ایران و عراق تک پہنچ گئی تھی۔

(۱۱) محمد حسین آزاد: دبیر، شوکتِ الفاظ، مضامین کی آمد، اس میں جا بجا غم انگیز اشارے، دردخیز کنائے، المناک اور دل گداز انداز جو مرثیہ کی غرضِ اصلی ہے: ان وصفوں کے بادشاہ تھے۔ دبیر اور انیس: یہ پاک روحیں جن کی بدولت ہماری نظم کو قوت اور زبان کو وسعت حاصل ہوئی، صلہ ان کا سخن آفرین حقیقی عطا کرے، ہمارے شکریے کی کیا بساط۔

(۱۲) شبلی نعمانی: میر انیس و مرزا دبیر کے موازنے میں عموماً میر انیس کی ترجیح ثابت ہو گی لیکن کلیہ میں مستثنیٰ ہوتا ہے۔ بعض موقعوں پر مرزا دبیر صاحب نے حسن بلاغت سے مضمون ادا کیا ہے، میر انیس سے نہیں ہو سکا۔

(۱۳) شاد عظیم آبادی: مجھ سے زیادہ مرزا صاحب کا معترفِ کمال شاید ہی کوئی ہو جس نے اس فن میں ایسا نام پایا ہو اور میر انیس جیسے عجوبۂ روزگار کا جو طرفِ مقابل قرار دے گیا ہو، جس نے لوگوں کو کہہ کہہ کے دفتر کے دفتر دے دیے اور شاعر بنا دیا۔ ان کے کمال کا اعتراف نہ کرنا بڑی جہالت ہے۔ مرزا دبیر کا ایک خاص انداز تھا جس کو وہ خود بڑی آن بان سے نباہ گئے۔ تشبیہ و استعارات، ترکیب و نازک خیالی میں ایک معنی پوشیدہ کار کھ دینا انھی کا کام تھا۔ وہ نظم کے تمام فنون سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے۔ عروض کی تمام بحریں، ان کے زحافات اس طرح یاد تھے جیسے اہلِ اسلام کو توحید کے مسائل۔

(۱۴) امیر مینائی: میں تمام شعرائے عجم پر دو ایرانی شاعروں کو ترجیح دیتا ہوں: (۱) فردوسی (۲) جامی۔ دبیر اور انیس کو فردوسی و جامی پر بھی ترجیح و تفضیل دیتا ہوں۔

(۱۵) منیر شکوہ آبادی: دبیر سا عالی دماغ، بلند خیال، صاحبِ معلومات، ہر رنگ میں کہنے والا شاعر آج تک نہیں گزرا۔ مرزا دبیر زبان کے بادشاہ اور میر انیس جوہری ہیں۔ دبیر کا تخیل انیس کو نصیب نہیں ہوا اور انیس کی شناخت الفاظ و محل استعمال سے دبیر بے بہرہ تھے، مگر دبیر کے مقابلے میں صرف انیس اور انیس کے مقابلے میں صرف دبیر کو پیش کر سکتے ہیں۔ ہندوستانی کوئی اور شاعر ان دونوں کا پاسنگ بھی نہیں۔

(۱۶) گارساں دتاسی: دبیر کی شہرت ہندوستان سے نکل کر ایران و عراق تک پہنچ گئی تھی۔

(۱۷) نجابت حسین عظیم آبادی: ''الحق کہ شاعر در طلاقتِ بیان دبیر گوئی وخوش خوانی نظیر نہ دارد۔''

(۱۸) سیّد امداد امام اثر: مرزا دبیر نے شاعری کا رتبہ ایسا بلند کر دیا کہ اور زبانوں کی شاعری اُسے دیدۂ حیراں سے نگراں ہے۔ دبیر کی سخاوت اور ایثار شہرۂ آفاق ہے۔ علم و فضل کے ساتھ توفیق عبادت خدا نے عطا فرمائی تھی۔ رفتار و گفتار میں یکتائے وقت تھے۔

(۱۹) مدیر ''اودھ اخبار'': دبیر، فنِ مرثیہ گوئی میں لاجواب تھے۔ تمام ہندوستان میں آفتاب تھے۔ عابد شب زندہ دار تھے۔ افصح الفصحا، ابلغ البلغا، سحبانِ زماں، طوطی ہندوستان، شاعرِ بے نظیر جناب مرزا دبیر پر مرثیہ گوئی کا خاتمہ ہو گیا۔

(۲۰) نواب حامد علی بیرسٹرایٹ لاء: میر، غالب، دبیر، انیس جسم شاعری کے عناصر اربع ہیں۔ اگر اُردو میں بلینک ورس کا رواج ہوتا تو سب سے زیادہ دو شاعر کامیاب ہوتے: (۱) غالب (۲) دبیر، اور دبیر غالباً غالب سے زیادہ کامیاب ہوتے۔

(۲۱) انسائیکلو پیڈیا برٹانکا: میر انیس نبیرۂ میر حسن اور ان کے ہم عصر مرزا دبیر مرثیہ گوئی میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔

(۲۲) امجد علی اشہری: ع: گر انیس کو فردوسیِ سخن پایا دبیر مثلِ نظامی ہوے مرصع نگار

(۲۳) مولوی عبدالحی فرنگی محل: دبیر و انیس ایسے کامل شاعر ہندوستان میں تو کیا، عرب و عجم میں بھی نہیں نکل سکتے۔

(۲۴) اسیر لکھنوی: انیس اور دبیر: دونوں استاد ہیں اور میں ایک کو دوسرے پر علانیہ ترجیح نہیں دے سکتا۔

(۲۵) نظیر الحسن چودھری: مرزا صاحب نے مضمون آفرینی اور موشگافیوں کا جو رنگ اختیار کیا، یہ طرز بجائے خود ایسا دقیق اور سنگلاخ تھا کہ اس کو ایسی خوبی کے ساتھ طے کر جانا انھیں کے زورِ قلم کا کام تھا، یہی وجہ ہے کہ وہی اس طرز کے موجد ہوئے، انھیں کے دم سے اس نے نشو و نما پایا اور انھیں کے ساتھ اس کا خاتمہ ہو گیا: ع:

''خلعتی بود کہ بر قامت او دوختہ شد''

(۲۶) پروفیسر سیّد مسعود حسن ادیب: مرزا دبیر اعلی اللہ مقالہ کا پایۂ شاعری معرضِ اختلاف میں رہا کیا ہے مگر ان کے علم و فضل،

ذہن وذکا، زہد واتقا، مذہبیت اور مومنیت کا کسی کو انکار نہیں۔

(۲۷) خبیر لکھنوی: انیس اور دبیر بہر کیف ایسے ہوئے کہ آج دنیا ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتی ہے مگر چل نہیں پاتی:

اک آسمانِ مدح کے دو آفتاب تھے
ان کا جواب وہ تھے، وہ ان کا جواب تھے

(۲۸) رشید احمد صدیقی: ''انیس اور دبیر وہ لوگ ہیں جو مرثیہ ہی نہیں کہتے، جو کچھ کہتے، خدائے سخن کہلاتے۔''

(۲۹) مہذب لکھنوی: حقیقت یہ ہے کہ دبیر کا اصل میدان مشکل پسندی ہے۔ صنائع بدائع کی حشر سامانی کے ساتھ ساتھ ان کے خیال کا تلاطم جب انگڑائیاں لیتا ہوا تراکیب اور لفظیات کی پیچیدہ چٹانوں سے ٹکراتا ہے تو قوت متخیلہ کی شوریدہ سری تھمنے کا نام نہیں لیتی۔ یہاں ہم یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہیں کہ مرزا صاحب مغفور نے طبیعت کو خود اس طرزِ نظم پر مجبور کر کے آمادہ کیا۔

(۳۰) ثابت لکھنوی: سوز خوانوں کا یہ مقولہ اور عقیدہ ہے کہ جس مجلس کو درہم برہم دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ رنگ نہ ہوگا، اس میں ہم مرزا دبیر کا مرثیہ پڑھتے ہیں، وہی رنگ دیتا ہے، دوسرے کا مرثیہ رنگ نہیں دیتا۔ مرزا صاحب نے اوّل اوّل مرثیوں میں بین عمدہ کہہ کر نام پیدا کیا اور محاورہ بندی کا خیال رکھ کر سلیس اُردو میں سیدھے سادے مرثیے کہے، پھر جو لکھنؤ میں باریکیاں اور صنعتیں بڑھتی گئیں، وہ بھی ہر رنگ میں مرثیے کہتے گئے، ادھر قدرتی شاعری پر علم کی صیقل ہوتی گئی، یہی وجہ ہے کہ ہر رنگ میں ان کا کلام نظر آتا ہے اور اس کثرت سے ہر رنگ میں کہا ہے کہ دریا بہادیے ہیں۔

(۳۱) آغا شاعر قزلباش: مرزا دبیر ایک بحرِ ناپیدا کنار ہیں جن کو شیر کی طرح اپنی طاقت کی مطلق خبر نہیں۔ وہ جہاں چاہتے ہیں، بڑھتے چلے جاتے ہیں، اپنی قادر الکلامی سے لفظوں کو مطیع بناتے چلے جاتے ہیں۔

(۳۲) مسٹر ہیرالال شیدا: میں اہل ادب سے معافی مانگ کر عرض کروں گا: مرزا دبیر کے ساتھ بڑی ناانصافی اور بے اعتنائی سے لوگوں نے کام لینا شروع کیا ہے۔ مرزا غالب کے مختصر دیوان میں سب شعر ایسے نہیں ہیں جن کو عوام سمجھ سکیں، پھر بھی ان کو قدر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اسی طرح اگر مرزا دبیر کا کچھ کلام دقیق ہے تو ان کو مجرم کیوں قرار دیا جائے، اپنا مبلغ علم بڑھاؤ۔

(۳۳) ڈاکٹر اعجاز حسین: مرزا صاحب کے مراثی کی گریہ خیزی کا بڑا سبب یہ ہے کہ وہ نفسیات کے بڑے ماہر تھے۔

(۳۴) فراق گورکھپوری: دبیر کا ذخیرۂ کلام اتنا بڑا ہے کہ عام پڑھنے والے اس بحرِ زخار کی پیراکی نہیں کر سکتے۔

(۳۵) مولوی قاضی عبدالودود: انیسؔ اور دبیرؔ نے اُردو میں سب سے زیادہ شعر کہے ہیں۔

(۳۶) عابد علی عابد: دبیر، انیسؔ سے بہتر بین لکھتا ہے اور اس سلسلے میں بلاغت کا حق ادا کر دیتا ہے۔

(۳۷) مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی: مرزا دبیرؔ کے اشعار میں تمکنت، وقار، وزن اور بھاری بھرکم پن ہے۔ وہ سوداؔ، ناسخؔ، ذوقؔ کے ہم نوا ہیں۔ انھوں نے مرثیے کو قصیدے کی قبا پہنائی اور عربی نقد و نظر کے مطابق مرثیے کو ممدوح کے شایانِ شان بنانے کی طرف توجہ کی۔ آخر ان کی کوشش سے مرثیہ، قصیدے کے برابر پھر محنت و کاوش سے، بلندی تک پہنچا۔ صاحبانِ نظر جانتے ہیں کہ مرزا دبیرؔ کا یہ کارنامہ تاریخ ادب میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ انھوں نے زبان و اسلوب کے اعتبار سے مرثیے کو زیادہ جامع، زیادہ معنی خیز بنا دیا، زبان کو قوت اور لہجہ دیا، عقیدت کی نگاہ کو فن کی نظر بخشی، فارسی اور عربی کے الفاظ و تعبیرات کا تجربہ کیا، مرثیے کو مجلس میں پڑھنے سننے کے علاوہ، مدرسوں میں مطالعہ و درس اور ایوان ادب میں موضوع نقد و نظر بنا دیا۔ اب اگر سوداؔ کا قصیدہ اور غالبؔ کی غزل شرح طلب اور قابل مطالعہ ہے تو دبیرؔ کا مرثیہ بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

(۳۸) نسیم امروہوی: مرزا دبیرؔ کا کلام، معانی و بیان کی مقرر کردہ کسوٹی کے اعتبار سے اس بلند تر مقام پر فائز ہے جسے معراجِ سخن کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، جس سے انکار یا احتراز، مذہب شاعرانہ میں کفر کے مترادف ہے۔

(۳۹) ڈاکٹر محمد احسن فاروقی: اگر میں کہوں کہ جدید دور کے شاعروں کے لیے، جو شاعری کو اپنے دور کی سچی ترجمانی بنانا چاہتے ہیں، مرزا دبیر کی شاعری، اور اقسام کی شاعری سے زیادہ مشکل راہ ہو سکتی ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اسے جو دشواریاں پیش آ رہی ہیں، وہ مرزا دبیر کے مطالعے سے حل ہو سکتی ہیں۔ بیسوی صدی مرزا دبیر کو اہم استاد منوانے کی طرف رجوع ہے۔ ہمارا ان کو سب سے بڑا خراج عقیدت یہ ہوگا کہ ہم ان کے ادراک کی اہمیت کا اعتراف کر لیں۔ یہ سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کریں کہ اوّل درجے کے شاعر کی طرح ان کا بھی ایک منفرد اور مخصوص ادراک ہے۔ دورِ رواں کو اس کی اشد ضرورت ہے اور شاعروں کی شعوری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اپنا اہم ترین وقت مرزا دبیر کے مطالعے کو دیں اور اس سے ہدایت حاصل کر کے اردو شاعری، جو پستی میں گر گئی ہے، اسے ایک نئی زندگی بخشیں۔

(۴۰) پروفیسر گوپی چند نارنگ: شاعری کی اہمیت صرف اس بات کی نہیں کہ شاعر، موضوع پر کتنا حاوی ہے بلکہ اس بات کی بھی ہے کہ خود موضوع، شاعر پر کتنا حاوی ہے۔ یہ نہایت دلچسپ اور ناقابلِ تردید حقیقت سامنے آتی ہے کہ پابند قوافی والے بندوں کے استعمال پر دبیرؔ کو وہ قدرت نہیں یا ان کی طبیعت کو پابند قوافی والے بندوں سے

وہ نسبت نہیں، جو انیس کو ہے، نیز تبدیلی اصوات کے مخصوص زیر و بم اور صوتی جھنکار سے جو جمالیاتی کیفیت پیدا ہوتی ہے، وہ اسی اعتبار سے دبیر کے یہاں کم ہے۔ دبیر کے یہاں کیفیت اگرچہ موجود ہے لیکن اس ہمہ گیری اور اعلیٰ پیمانے پر نہیں جیسی انیس کے یہاں ہے۔ انیس و دبیر نے مرثیے کو جس اوجِ کمال تک پہنچادیا، اس کی دوسری نظیر دنیائے ادب میں مشکل سے ملے گی۔ ایسا کم ہی ہوا ہے کہ پوری صنف کو دو ہم عصر شعرانے ایسا نمٹادیا کہ آیندہ آنے والوں کو شدید آزمائش سے دوچار کردیا۔

(۴۱) پروفیسر نیر مسعود: مرزا سلامت علی دبیر اور میر ببر علی انیس اُردو مرثیے کے دوسب سے بڑے نام ہیں۔ ان دونوں باکمالوں کے درمیان زمانی فاصلہ نہ تھا اور وہ ایک وقت میں، ایک ہی شہر میں سخن وری کی داد لے رہے تھے۔ معرکۂ انیس و دبیر کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ خود انیس و دبیر میں کوئی خاص تصادم نہیں ہوا۔ ان دونوں کا تصادم زیادہ سے زیادہ یہاں تک رہتا تھا کہ ایک دوسرے کے ادا کیے ہوئے مضمون کو بہتر اور موثر تر پیرائے میں ادا کر کے دکھادیں اور اپنے فنی رویے کا زیادہ شدت سے اظہار کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ ذاتی سطح پر دونوں باکمال ایک دوسرے کے مداح اور معترف تھے۔

(۴۲) ڈاکٹر فرمان فتح پوری: مرزا صاحب صنف اوّل کے شاعر اور ایک بلند پایہ استادِ فن ہیں۔ ان کا رنگ انیس سے جدا ہے اور ایسی انفرادیت رکھتا ہے جس کی مثال اُردو مرثیے کی تاریخ میں نہیں۔ یہ دونوں دبستان اُردو میں شروع ہی سے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ ایک کی نظر صرف زبان کی سادگی اور جذبے کی نرم روی پر رہتی ہے اور دوسرا رنگیں بیانی اور خروش الفاظ پر جان چھڑکتا ہے۔ دونوں کی الگ الگ اہمیت ہے، ایک زمانہ یہ تھا، صناعی سب کچھ تھی اور اب یہ زمانہ ہے، سادگی سب کچھ ہے۔

(۴۳) پروفیسر اکبر حیدری: مرزا دبیر اُردو کے ایک عظیم، مستند اور مسلم الثبوت استاد شاعر ہیں۔ دبیر شوکت الفاظ کے پروں میں اڑتے تھے اور انیس صفائی کے دریا بہاتے تھے۔ معاصرین، دبیر کے رنگ کو پسند کرتے تھے اور دل سے ان کی دادِ سخن دیتے تھے، ان میں مرزا رجب علی بیگ سرور، مرزا غالب، سیّد احمد حسین فرقانی، نجات عظیم آبادی اور سلطانِ عالم واجد علی شاہ قابلِ ذکر ہیں۔ جب تک اُردو زبان اور اُردو مرثیہ گوئی دنیا میں قائم رہے گی، دبیر کا نام میر انیس کے دوش بدوش لیا جائے گا۔

(۴۴) پروفیسر صفی حیدر: دبیر نے مرثیے کے فکری معیار کو بلند کیا۔ ان کے مرثیے کا اندازہ ان کی جدت پسندی، خلاقی و معنی آفرینی، پرشکوہ طرز سخن، عالمانہ زبان، علم بیان اور بدیع کے ماہرانہ استعمال سے کیا جاسکتا ہے۔ جنھوں نے

مل کر ان کے فن کی تشکیل کی ہے۔ اُردو مرثیہ اگر صرف میر کے اسلوب کی نمائندگی کرتا تو اس میں کلاسیکی تکمیل نہ ملتی۔ مرزا دبیر نے سودا اور غالب کے پُرعظمت اسلوب سے اُردو مرثیے میں ہماری شاعری کا صرف ایک رخ سامنے آتا۔ دبیر نے اس کمی کو جوخوش اسلوبی سے پورا کیا، وہ یقیناً ایک ادبی کارنامہ ہے۔

(۴۵) ڈاکٹر اسداریب: مرزا سلامت علی دبیر تفصیل نگاری اور توضیحی شاعری کے باکمال استاد ہیں۔ انھوں نے اُردو کے شعری سانچے میں پہلی بار یہ ترمیم کی۔ اُردو میں وہ پہلے شاعر ہیں جنھوں نے شعر کو تفصیلِ معانی اور توضیحِ خیال کے لیے بالکل نثر کی طرح لکھا۔ شعر کی اس نثری ساخت میں شعر سے تخیل اور تخیل کی رنگینی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

(۴۶) ڈاکٹر محمد زماں آزردہ: بعضوں کا خیال ہے کہ دبیر نے مشکل زبان، پُرشکوہ الفاظ، فارسی اور عربی لغات سے کام لے کر کلام کو ادق بنادیا ہے۔ ان کے معترض اس حقیقت کو نظر انداز کردیتے ہیں کہ زبان اور ماحول ایک دوسرے سے اتنا قریبی تعلق رکھتے ہیں کہ کسی ایک کو سمجھے بغیر دوسرے کے بارے میں رائے دینا مناسب نہیں ہو سکتا۔ مرزا دبیر عالم متبحر تھے۔ اگر ایک طرف ان کی نظر تاریخ احادیث وروایات پر تھی تو دوسری طرف فارسی شعروادب سے کماحقہ، واقف تھے، اساتذۂ فارسی کے دواوین کا غور سے مطالعہ کیا تھا۔ وہ بھی اس بات کے لیے کوشاں تھے کہ اُردو شاعری خصوصاً اُردو مرثیہ اپنے اندر وہ تمام خوبیاں پیدا کرے، جو فارسی شاعری کا خاصہ ہیں۔

(۴۷) ڈاکٹر گیان چند: دبیر کی نامقبولیت کی اصلی وجہ ان کا کلام نہیں، ایک علامہ کا جانب دارانہ فیصلہ ہے جسے سہل انگاری کے سبب قبول کرلیا گیا ہے۔ اسی دبیر کا، جس کا کلام بقولِ شبلی: فصاحت چھو بھی نہیں گئی، بلاغت نام کو نہیں، میں غیر مسلم ہونے کے باوجود ان بندوں کو نقل کرتا ہوں تو ایک خاموش رقت طاری ہوتی ہے، آخر صاحب اولاد ہوں۔ قدردانانِ دبیر کو چاہیے کہ صحیح انتخاب کے ذریعے دبیر کو ان کا جائز مقام دلائیں۔

(۴۸) عبدالقوی دسنوی: اِسے اُردو ادب کا بڑا سانحہ کہیے کہ مرزا سلامت علی دبیر بحیثیتِ انسان اور بحیثیتِ مرثیہ نگار جس مرتبے کے مستحق تھے، ہم اُردو والے وہ مرتبہ دلانے میں ناکام رہے ہیں بلکہ انھیں متعارف کرانے سے بھی گریز کرتے رہے ہیں۔ دراصل ہمارا یہ عمل اُردو ادب کو عظیم ادبی سرمایے سے محروم رکھنے کی سعی کے مترادف ہے۔

(۴۹) جناب کاظم علی خان: میں یہ نہیں کہتا کہ دبیر، انیس سے بہتر شاعر تھے، میرا مقصد تو یہ ہے کہ انیس و دبیر کی نوک جھونک کو

اب بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ موجودہ حالات کے پیشِ نظر بند کر دینا چاہیے۔ اس دور میں صحت مند اور سائنٹیفک تنقید کی روشنی میں ان دونوں حضرات کے کلام کو پرکھ کر بآسانی یہ کہا جا سکتا ہے کہ انیس و دبیر دونوں ہی فنِ مرثیہ گوئی میں امامِ فن کی حیثیت رکھتے تھے، دونوں ہی مرثیے کے میدان میں صاحب کمال شاعر تھے اور دونوں ہی نے اُردو مرثیے کو معراجِ کمال پر پہنچا دیا۔ ہمارے اس قول کی تائید میں مولانا محمد حسین آزاد کی یہ عبارت پیش کی جا سکتی ہے: ''دونوں با کمالوں نے ثابت کر دیا کہ حقیقی اور تحقیقی شاعر ہم ہیں۔ ہر رنگ کے مضمون، ہر قسم کے خیال پر ایک حال کا، اپنے الفاظ کے جوڑ بند سے ایسا طلسم باندھ دیتے ہیں کہ چاہیں رُلا دیں، چاہے ہنسا دیں، چاہیں تو حیرت کی صورت بنا کر بٹھا دیں۔''

(۵۰) ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی: اردو کو فارسی کا ہم پلہ ثابت کرنے کا کارنامہ دبیر ہی نے انجام دیا۔ انھوں نے مدح میں خاقانی اور انوری سے ٹکر لی، مبالغے میں ظہیر فاریابی کا پہلو دبایا، شکوہِ الفاظ و طنطنۂ بیان میں فردوسی کے کمال کا مظاہرہ کیا، اخلاق و موعظت میں سعدی و رومی کی سنت کی تجدید کی دقت پسندی و مضمون آفرینی میں صائب، بیدل کا مقابلہ کیا اور ان تمام میدانوں میں اپنی پروازِ فکر کے جوہر دکھائے جواب تک ایرانی سخن آفرینوں کی جولاں گاہ تصور کیے جاتے تھے۔ مرزا صاحب کی مضمون آفرینیوں، صناعیوں اور ژرف نگاریوں نے ہمیں پہلی مرتبہ وہ سرمایۂ شعر و ادب عطا کیا جسے ہم سخن آفرینانِ فارس کے مقابلے میں فخر کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں۔

(۵۱) ڈاکٹر ہلال نقوی: مرزا دبیر کے رنگِ سخن میں قوتِ متخیلہ کا شکوہ بھی ہے، خیال آفرینی کا جوہر بھی، استعارات و تشبیہات میں ندرت، تراکیب میں جدت اور مبالغ میں شدت بھی، صنائع و بدائع کی کثرت بھی ہے اور مصائب کو تفصیل سے بیان کرنے کا رجحان بھی۔ اپنے متقدمین مرثیہ گو شعرا کے مقابلے میں ان کا یہی طرزِ جدید ہے جس میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ دبیر کے فنِ مرثیہ گوئی کا کلیدی پہلو ان کا جذبۂ ایجاد و اختراع ہے۔ ایجادات و اختراعات کی یہ رَو اُن کے تقریباً ہر مرثیے میں نظر آتی ہے۔ ع: ''مضمون نئے کرتا ہوں ایجاد ہمیشہ''

(۵۲) شجاعت علی سندیلوی: یہ امر مسلمہ ہے کہ مرزا دبیر اپنے فن کے استاد تھے اور انیس سے اُن کا راستہ جدا تھا۔ میر انیس کی طرح ان کے کلام کو مقبولیت اور شہرت نصیب نہیں ہوئی لیکن اس سے اُن کے کمال پر کسی قسم کا حرف نہیں آ سکتا۔ ایسا پُر گو اور عالی مرتبت شاعر دنیائے اُردو میں کوئی دوسرا نہیں۔ عروسِ سخن کے سنوارنے میں مرزا دبیر نے کچھ کم عرق ریزی نہیں کی ہے۔

(۵۳) پروفیسر جعفر رضا: اردو مرثیے کا دور عروج میر انیسؔ و مرزا دبیرؔ کی سرکردگی میں تخلیقی و فنی قوتوں کا سرچشمہ بنا۔ میر انیسؔ نے اپنے اخلاقی مضامین سے شعر کی زمین کو آسمان کر دیا۔ نظم کو درِ شہوار کی لڑیاں بنا دیا، اپنے عمیق تجربات و مشاہدات کے ذریعے فکر و احساس کا حسین تاج محل تعمیر کیا۔ دوسری طرف مرزا دبیرؔ نے مضمون آفرینی، تکلف نفاست اور خارجی بیانات پر زور دیا۔ ایک ایک منظر یا واقعے کے بیان میں طرح طرح کی تشبیہوں، استعاروں اور صنائع بدائع سے جودتِ طبع کے جوہر کھول دیے۔ ان کے معتقدین دو الگ الگ گروہوں میں تقسیم تھے جو ایک دوسرے سے کشمکش اور چشمکیں کرتے رہتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے سے اپنی برتری کا اعلان کرتے رہتے اور بقول محمد حسین آزادؔ: منصفی بیچ میں آ کر کہتی تھی، دونوں اچھے، کبھی کہتی: وہ آفتاب ہیں، یہ ماہ اور کبھی: یہ آفتاب اور وہ ماہ۔

(۵۴) ضمیر اختر نقوی: مرزا دبیرؔ نے اُردو مرثیے کے لیے بہت بڑا کام سرانجام دیا ہے جو اُن حالات اور مقدرت کے ساتھ، جس کے وہ حامل تھے، دوسرا کوئی انجام نہیں دے سکتا تھا۔ مرزا دبیر بہت بڑے شاعر اور نہایت اعلیٰ فن کار ہیں۔ اگر مرزا دبیرؔ نہ ہوتے تو شاید اُردو مرثیہ ان بلندیوں پر نہ پہنچ پاتا جس پر آج وہ پہنچا ہے۔ یہ دونوں شاعروں کے شایانِ شان نہیں کہ ایک دوسرے کا موازنہ اس ارادے سے کیا جائے کہ ایک کی فوقیت جتا کر دوسرے کے کلام میں خامیاں نکالی جائیں۔

(۵۵) عظیم امروہوی: دبیرؔ نام ہے مرثیہ کی دنیا کے مینارۂ نور کا۔ دبیرؔ نام ہے مرثیے کے اس سمندر کا جس میں غواصی کے بعد کوئی بھی خالی ہاتھ نہیں آیا۔ دبیرؔ نام ہے مرثیے کے اس دریا کا جو مرثیہ نگاروں کو ذہنی طور پر ہمیشہ سیراب کرتا رہے گا۔ دبیرؔ نام ہے مرثیے کے اس ابدی چراغ کا جس سے سیکڑوں چراغ روشن ہو چکے ہیں اور آئندہ ہوتے رہیں گے۔

(۵۶) ڈاکٹر سیّد کاظم حسین کاظمی: مرزا دبیرؔ نے شاعری کی جملہ خوبیوں کو مرثیے کے کینوس میں فٹ کرنے کے لیے اعلیٰ و ارفع اقدام کیے ہیں اور نقادانِ شعر و ادب سے اپنے فکر و فن کی جامعیت، علم کی وسعت اور شاعرانہ مہارت کا اعتراف کرایا ہے۔ دبیرؔ نے جو مرثیہ نگاری میں کمال پیدا کیا، اپنی علمی صلاحیت اور جدّتِ طبع کے سبب کیا ہے۔

نمونۂ کلام

○

رباعیات

(۱۳۳۲ رباعیات میں سے صرف ۳۶ رباعیات بطور نمونہ پیش کی جارہی ہیں)

مذہبی رباعیات — حمدیہ رباعی

(۱)

یارب! خلاقِ ماہ و ماہی تُو ہے
بخشندۂ تاج و تختِ شاہی تو ہے
بے منّت و بے سوال و بے استحقاق
دیتا ہے جو سب کو، وہ الٰہی تو ہے [۱]

[۱] "رباعیاتِ دبیر" نخبر لکھنوی میں "یا الٰہی" ہے۔

لغات: خلاق: پیدا کرنے والا۔ ماہ: چاند۔ ماہی: مچھلی۔ استحقاق: سزاوار، حق، قابلیت۔ یا: حرفِ ندا۔ صنعت شبہ اشتقاق: ماہ، ماہی۔ صنعت تکرار مع الوسائط: بے منت و بے سوال و بے استحقاق۔ صنعت ترصیع۔ بے۔ ہے۔ مصرعِ چہارم روزمرہ کی اچھی مثال ہے۔

مذہبی رباعیات — حمدیہ رباعی

(۲)

یارب! جبروتی تجھے زیبندہ ہے
ہر تن، ترے سجدے میں، سرافگندہ ہے
توحید کا کلمہ، یہی پڑھتا ہے دبیؔر
جو تیرے سوا ہے، وہ تیرا بندہ ہے

لغات: جبروتی: عظمت، جاہ و جلال۔ زیبندہ: زیب دیتا ہے۔ افگندہ: گرا ہوا۔ صنعت تنسیق الصفات: رب، سجدہ، جبروتی، توحید، کلمہ، بندہ

مذہبی رباعی　اعتقادی رباعی　مغفرت

(۳)

پرہیز نہیں گناہ سے، دردا! دردا!
آرام کی امید ہو کیوں کر فردا
محشور ہوں فرد فرد، جس دم جز و کل
ربِّ ارحمنی ولا تذرنی فردا

لغات: دردا: افسوس۔ فردا: کل۔ محشور محشر میں حساب ہوں۔ فرد: الگ الگ رصنعتِ ذوالسانتین: مصرع سوم اُردو اور چہارم عربی میں ہے۔
صنعت طباق ایجابی: جز و کل صنعتِ تکرار: فرد، فرد۔ دردا، دردا رصنعتِ مراعات النظیر: محشور، فرد، رب ارحمنی

مذہبی رباعی　اعتقادی رباعی　مغفرت

(۴)

یا بارِ خدا! عام ہے انعام تیرا
غفار بھی، ستار بھی ہے نام تیرا
میں عذر گناہ کرتا ہوں، تُو رحمت کر!
وہ کام میرا ہے، اور یہ کام تیرا

لغات: عذر: بہانہ رصنعت۔ تلمیح: غفار: بخشنے والا (خدا کا نام)۔ ستار: عیبوں کو چھپانے والا (خدا کا نام) رصنعت تضمیں المزدوج: عام، انعام، غفار، ستار، میرا تیرا رصنعت تنسیق الصفات: خدا، غفار، ستار رصنعتِ ترصیع: یا، تیرا رصنعتِ طباق ایجابی: وہ، یہ میرا تیرا رصنعتِ امتحان بدلیل۔
پوری رباعی اسی صنعت میں ہے۔ صنعتِ لف ونشر مرتب: مصرع سوم اور مصرع چہارم ہے

مذہبی رباعیات نعتیہ معراج

(۵)

معراجِ نبیؐ میں جائے تشکیک نہیں
ہے نور کا تڑکا، شبِ تاریک نہیں
قوسین کے قرب سے، یہ ثابت ہے دبیر
اتنا کوئی، اللہ کے نزدیک نہیں

لغات: تشکیک: شک۔ تڑکا: سویرا۔ قوسین: محراب فرش۔ قرب: قریب، صنعت حسنِ تخلص مصرع چہارم روزمرہ میں ہے۔ صنعتِ تلمیح: معراج جس میں پیغمبرؐ براق پر سوار ہو کر عرش گئے۔ قوسین: عرش کے بلند مقامات، محرابِ عرش، تیسرا اور چوتھا مصرع صنعت مذہب کلامی کی عمدہ مثال ہے۔

مذہبی رباعیات نعتیہ معراج

(۶)

موسیٰؑ کو تو حکمِ خلعِ نعلین مِلا
احمدؐ کو مقامِ قابِ قوسین مِلا
معراج کو یہاں عرشِ معلیٰ، وہاں طور
کیا فرق، بلند و پست، مابین ملا

لغات: خلع: نکال دینا۔ نعلین: جوتیاں۔ قابِ قوسین: عرش کے بلند مقامات۔ عرش معلیٰ: عرش کے بلند مقامات۔ مابین: درمیان۔ تلمیح: معراج، طور
صنعتِ تضاد: بلند پست۔ صنعتِ لف و نشر مرتب کی عمدہ مثال مصرع سوم اور چہارم ہے

مذہبی رباعیات   نعتیہ   سایہ نہ تھا

(۷)

اندامِ نبیؐ نے، کیا صفائی پائی
سائے کی بھی، وصل سے جدائی پائی
وہ سایہ، ہوا دواتِ قدرت میں جمع
لکھنے کو، قضا نے روشنائی پائی

لغات: اندام: بدن۔ دوات: روشنائی کی شیشی۔ روشنائی: سیاہی، جس میں ڈبو کر قلم لکھتے ہیں۔ قضا: مشیتِ الٰہی / عمدہ مضمون / صنعتِ تضاد: وصل، جدائی / ۔ صنعتِ مراعات النظیر: دوات، روشنائی، لکھنے۔

مذہبی رباعیات   نعتیہ / سراپا / روئے محمدؐ

(۸)

کیا، روئے پیغمبرؐ نے ضیا پائی ہے
فرقاں کی، بلا فرق، یہ زیبائی ہے
ہر شے سے مقدّم ہے، ہمیں اس کا ادب
قرآں سے پہلے، یہ کتاب آئی ہے

مصرعِ چہارم دوسری رباعی میں تکرار ہوا ہے۔

لغات: روئے پیغمبرؐ: صورتِ پیغمبر۔ ضیا: روشنی۔ زیبائی: خوب صورتی۔ مقدّم: ضروری، لازم / روزمرہ: مصرعِ چہارم عمدہ مثال ہے / تشبیہ: رخِ پیغمبر کو قرآن کی روشنی سے تشبیہ دی گئی ہے / مصرعِ چہارم میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے "سب سے پہلے اللہ نے میرا نور خلق کیا"

منقبتی رباعی حضرت علی سراپا

(۹)

قرآن ہے شرحِ رخِ زیبائے علیؑ
ایمان کا ایماں ہے تولائے علیؑ
بندوں کی تو معراج، نمازیں ہیں، مگر
معراجِ نماز ہے سیایائے علیؑ

منقبتی رباعی حضرت علی

(۱۰)

رُو قبلہ کی جانب ہو، تو دِل سوئے علیؑ
سونگھوں جو پھول، آئے خوشبوئے علیؑ
آئینہ میں، آب و خواب میں، پُتلی میں
یارب! ہر مشکل سے دکھا! روئے علیؑ

مذہبی رباعیات منقبتی رباعیات حضرت علیؑ کعبہ

(۱۱)

حیدرؑ کو شرف، حق نے عطا فرمایا
مابینِ شکم، ذکرِ خدا فرمایا
تھا، اُن کی ولادت کے، نہ قابل، کوئی گھر
کعبہ کو، خلیلؑ نے بنا فرمایا

منقبتی رباعیات حضرت علیؑ کعبہ

(۱۲)

حیدرؑ نے ہر اقلیم کو تسخیر کیا
مالک نے انھیں مالکِ شمشیر کیا
قابل، جو ولادت کے، نہ تھا کوئی گھر
گھر حق کا، خلیلِ حق نے تعمیر کیا

صنعت سریع المبصر: گھر۔گھر

منقبتی رباعی   حضرت علیؑ   ترکِ دنیا

(۱۳)

بن ٹھن کے، ہزار بار آئی دنیا
پر چشمِ علیؑ میں نہ سمائی دنیا
جتنا درِ خیبر کو اٹھایا تھا بلند
نظروں سے اسی طرح، گرائی دنیا

منقبتی رباعی   حضرت علیؑ

(۱۴)

کب خطبے نے وہ نام، کسی سے پایا!
جو، احمدِ مرسلؐ کے وصیؑ سے پایا!
کرسیِ فلک کا وہ نہیں، عرش سے اوج
جو پایۂ منبر نے، علیؑ سے پایا

منقبتی رباعی حضرت علیؑ اسم

(۱۵)

جز نقشِ علیؑ، نقش ہر اِک، بے جا ہے
یہ نقش، نجاتِ رحمتِ عقبا ہے
اپنے ایمان کی لوح ابجد میں دبیر!
اِک عین ہے، اک لام ہے، اِک یا ہے

منقبتی رباعی حضرت علیؑ مزار

(۱۶)

مومن جو، باریاب ہو جاتا ہے
وہ اَوج میں، لاجواب ہو جاتا ہے
جلتا ہے جو شب کو، قبرِ مولا پہ چراغ
وہ صبح کو آفتاب ہو جاتا ہے

منقبتی رباعی حضرت امام مہدیؑ

(۱۷)

اعجازِ امامِ انس و جن، روشن ہے
دائم ہیں جوان، بہ حالِ سن روشن ہے
مہدیؑ ہیں نہاں، نورِ ہدایت ہے عیاں
خورشید تو بدلی میں ہے، دن روشن ہے

صنعتِ تضاد: نہاں، عیاں/صنعتِ مذہب الکلامی

منقبتی رباعی حضرت امام مہدیؑ

(۱۸)

حیدرؑ کا، ہر اِک جن و ملک، بندہ ہے
ہر شاہ و گدا، اَبد تلک بندہ ہے
گن لو! عددِ جہان و مہدیؑ ہیں ایک
تا روزِ حساب، ان کا، فلک بندہ ہے

صنعتِ سیاق الاعداد

مذہبی رباعی اقتصادی رباعی بخشش

(۱۹)

ہر چند کہ معصیت سے نادم ہم ہیں
پر خُلد کے گل گشت کے عازم ہم ہیں
روکیں گے جو دربانِ جناں کہ دیں گے
سرکارِ حسینؑ کے ملازم ہم ہیں

لغات: معصیت: گناہ۔ نادم: شرمندہ۔ گل گشت: گلستان کی سیر۔ عازم: آمادہ۔ سرکارِ حسینؑ: سلطنتِ حسینؑ رصنعتِ ترصیع: روکیں، ہیں رعمدہ اور اچھوتا مضمون ہے = کسی بھی دربار کے نوکر اس دربار میں بغیر پوچھ گچھ کے آ اور جا سکتے ہیں۔

مذہبی رباعی بخشش

(۲۰)

دل، داغ غمِ شاہؑ کا پروانہ ہے
روشن ہے یہ شمع تعزیہ خانہ ہے
مرنے پہ چراغِ گور، اور حشر کے روز
بخشش کا، یہی چراغ پروانہ ہے

لغات: تعزیہ خانہ: علم ایستادہ کرنے کی جگہ۔ پروانہ: اجازت کا کاغذ، پتنگ رتلمیح: داغ غم شاہ سے مراد چراغ اور نور سید الشہدا ہے۔ دوسرے معنی داغ ماتم بھی ہوسکتا ہے ربخشش کا پروانہ۔ چراغ گور سے مراد قبر کی روشنی ہے رصنعتِ مراعات النظیر: داغ، پروانہ، روشن، شمع رصنعتِ ترصیع: مرنے، ہے

مذہبی رباعی اعتقادی رباعی بخشش

(۲۱)

دنیا سے اُٹھا، میں لے کے نامِ حیدرؑ [۱]
جنت کو چلا، بہرِ سلامِ حیدرؑ
عصیاں ہوئے سدِ رہ تو رضواں نے کہا
آنے دو اسے! ہے یہ غلامِ حیدرؑ

[۱] بعض مقامات پر مصرع یوں ہے: دنیا سے اُٹھا، لے کے جو نامِ حیدرؑ

لغات: عصیاں: گناہ۔ سدِ راہ: راستے میں رکاوٹ/محاورہ: دنیا سے اٹھنا: مرجانا/تلمیح: رضوان: جنت کے دربان/صنعتِ تعلیق: رباعی کا پہلا شعر اسی صنعت میں ہے۔

مذہبی رباعی اعتقادی رباعی بخشش

(۲۲)

جس نے آزارِ مفلسی بتلایا
عیسیٰؑ نے اُسے نامِ علیؑ بتلایا
پوچھی جو غذا، مریضِ عصیاں نے، دبیر
کھانے کو غمِ سبطِ نبیؐ بتلایا

لغات: آزار: تکلیف۔ عصیاں: گناہ/تلمیح: عیسیٰ: جو مریضوں کو شفا دیتے تھے/غمِ سبطِ نبیؐ: یعنی غمِ امام حسینؑ/جدید ترکیب: مریضِ عصیاں/محاورہ: غم کھانا: یعنی غم کرنا، مغموم ہونا/صنعتِ مراعات النظیر: غذا، مریض، کھانے۔

اعتقادی رباعی داغِ ماتم

(۲۳)

سینے میں گُلِ داغ ہیں، خرمن خرمن
سوزِ غم شہؑ دل میں ہے، گلخن گلخن
چشموں میں ہے جوشِ گریہ، دریا دریا
موتی ہیں بجائے اشک، دامن دامن

اعتقادی رباعی داغِ ماتم

(۲۴)

دل میں غمِ شبیرؑ کا داغ ایسا ہو
جو بلبلِ سِدرہ کہے: باغ ایسا ہو
تا حشر ہے روشنی داغِ شبیرؑ
مرقد میں اگر ہو، تو چراغ ایسا ہو

مذہبی رباعی اعتقادی رباعی ذاتی مرقد

(۲۵)

مرقد پہ نہ گُل دستہ، ارم کا رکھنا
بس تعزیہ، سلطانِ اُمَم کا رکھنا
میں عاشقِ عباسؑ ہوں، یارو! پسِ مرگ
پنجہ، مری تربیت پہ، علَم کا رکھنا

لغات: مرقد: قبر۔ ارم: جنت۔ مرگ: موت۔ تربت: قبر تلمیح: تعزیہ۔ سلطانِ اُمَم سے مراد امام حسینؑ ہیں۔ پنجہ سے مراد علم کا کلس ہے، صنعت مراعات النظیر: عباسؑ، پنجہ، تربت، علم رصنعت تجرید: حضرت عباسؑ اور علم رصنعتِ ایہام: پنجہ سے مراد ہاتھ اور علم بھی ہے صنعت مذہب الکلامی میں دوسرا شعر ہے۔

مذہبی رباعی اعتقادی رباعی مغفرت ذاتی

(۲۶)

یارب! تُو ہو، جس روز، عدالت آرا
اور فردِ عَمل دِکھائے عالم سارا
مشہور ہوں یاں، دبیرِ سرکارِ حسینؑ
آنجا بہ حُسن بخش گناہِ ما را

لغات: عدالت آرا: عدالت کو سجائے (مراد محشر ہے)۔ فردِ عمل: دفترِ اعمال۔ سرکار: سلطنت رصنعت حُسن تخلص: دبیر زسرکار حسینؑ رصنعت ایہام: دبیر سے مراد تخلص اور منتظم ہے، یہاں معنی منتظم کے ہیں رصنعتِ ترصیع: یا، سارا رصنعت ذوالسانین: دوسرے شعر کا پہلا مصرع اردو اور دوسرا مصرع فارسی میں ہے، رباعی کا دوسرا شعر ندرت مضمون سے آراستہ ہے۔ مصرعِ آخر میں ''حسن'' ایہام ہے، یعنی حسن خدمت کے عوض بخش دے یا اپنے حُسن کے صدقے میں بخش دے۔

فلسفانہ رباعی بے ثباتی دنیا

(۲۷)

گر صبح یہاں اَوج ہے، تو شام نہیں
جب عزل ہوا، مُہر کہیں نام نہیں
سُرعت سے تری نبضِ مریض، اے گردوں!
دنیا کو تیرے ہاتھ سے آرام نہیں

فلسفانہ رباعی بے ثباتی دنیا

(۲۸)

کسی کا، کندہ نگینہ پہ، نام ہوتا ہے
کسی کی عمر کا، لبریز، جام ہوتا ہے
عجیب سرا ہے یہ دنیا کہ جس میں شام و سحر
کسی کا کوچ، کسی کا مقام ہوتا ہے

اخلاقی رباعی　تواضع

(۲۹)

کم مایہ، سبک پیشِ جہاں ہوتا ہے
میزاں سے بدیہی، یہ عیاں ہوتا ہے
خوردوں سے تواضع، ہے بزرگی کی دلیل
جھکتا ہے جو پلّہ، وہ گراں ہوتا ہے

اخلاقی رباعی　تواضع

(۳۰)

رُتبہ، جسے دنیا میں، خُدا دیتا ہے
دل میں وہ فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتا ہے تہی دست، ثنا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے، صَدا دیتا ہے

اخلاقی رباعی عیب جو کی مذمت

(۳۱)

جو اہلِ ہنر کا عیب جُو ہوتا ہے
بد، اس کا ہر اک فعل نکو، ہوتا ہے
جب نقصِ زر و سیم، وہ کرتا ہے عیاں
خود سنگ محک، سیاہ رُو ہوتا ہے

سنگ محک: وہ پتھر جو کسوٹی ہوتا ہے

اخلاقی رباعی ظرفیت دار

(۳۲)

گنجینہ جسے ربِّ ہُدا دیتا ہے
وہ دادِ عطیۂ خدا دیتا ہے
خاموش حبابوں کے ہیں ظرف خالی
دریا میں ہیں موتی، وہ صدا دیتا ہے

یہ رباعی میر انیس کی رباعی کے مضمون کے برعکس ہے۔

ذاتی رباعی تعلّی

(۳۳)

شیرانِ مضامیں کو کہاں بند کروں
کیا، طبع کا دریاے رواں، بند کروں
خلّاق مضامیں، تو سبھی ہیں، لیکن
کُھل جائے یہ عقدہ، جو زباں بند کروں

ذاتی رباعی تعلّی

(۳۴)

الہام کے گلزار کا میں گلچیں ہوں
شیریں سخنی سے موردِ تحسیں ہوں
سُن کر میری شیریں سخنی کا شہرہ
شکّر نہیں کہہ سکتی کہ میں شیریں ہوں

مدحیہ رباعی زہیر قین۔ منقوطہ رباعی

(۳۵)

جب بخت بن قین نے زینت بخشی
زینبؑ نے تشفّی تب بہ شفقت، بخشی
تیغیں جز تنِ جبیں شق، جی بے چین
جنّت بخشی، نبیؐ نے جنّت بخشی

فلسفیانہ رباعی بے ثباتی دنیا

(۳۶)

بالائے زمیں، زندوں کی تعمیریں ہیں
مُردوں کی، بہ زیرِ خاک، جاگیریں ہیں
عبرت کے مرقع کا، ہے اِک صفحہ زمین
دونوں طرف، اِس ورق پہ تصویریں ہیں

نمونۂ سلام

(مرزا دبیر کے ۱۳۴ سلاموں میں سے صرف تین سلام پیش کیے گئے ہیں)

۱

سلام

مُجرئی! ہے سوگوارِ ماہِ حیدرؑ چاندنی
اشک ہیں شبنم، بُکا کرتی ہے شب بھر چاندنی

مُجرئی! فرشِ نجف سے کب ہو ہمسر چاندنی
چاندنی جھاڑو تو جھڑتی ہے زمیں پر چاندنی

اے فلک! اندھیر ہے، عابدؑ کا زنداں بے چراغ
اے زمیں! کیا قہر ہے، دنیا میں گھر گھر چاندنی

تا کمالِ چاردہ معصومؑ روشن سب پہ ہو
چودھویں شب کو رہا کرتی ہے شب بھر چاندنی

حلۂ نورانیِ فردوس کے مشتاق تھے
دیکھ کر عاشور کی شب کو بہتّر، چاندنی

شمر نے چاہا کہ حضرت سے جدا عباسؑ ہوں
یہ نہ سمجھا، چاند سے چھوٹے گی کیوں کر چاندنی

بکا: رونا، ہمسر: برابر، قہر: غضب، سفیدی ہونا: چونا ڈالنا

جب سفیدی روضۂ شبیرؑ میں ہونے لگی
گرد روضہ کے پھری چونے میں مل کر چاندنی

اتحادِ پنجتن پر مل کے چاروں ہیں گواہ
دھوپ، خورشیدِ درخشاں، ماہِ انور، چاندنی

مال و زر کا کیا بھروسا، چاہیے فکرِ مآل
فی المثل: ہے چار دن کی، اے تونگر! چاندنی

اَبروے ماہِ بنی ہاشم سے روشن تھا جہاں
بدر سے اس ماہِ نو میں، تھی فزوں تر چاندنی

صاف باطن، لوث دنیا سے بَری دنیا میں ہیں
گرد آلودہ نہیں ہوتی زمیں پر چاندنی

بارہا لکھا ہے شب کو حُسنِ رخسارِ حسینؑ
روشنائی میں مرکب کی ہے اکثر چاندنی

سینۂ پُر داغِ زہراؑ دیکھ لے گر اِک نظر
چاند کے مانند داغی ہو سراسر چاندنی

فی المثل: مثال کے طور پر / تونگر: مالدار / ماہِ بنی ہاشم: لقب حضرت عباسؑ / بدر: ماہِ کامل / فزوں: زیادہ / باطن: اندر، ضمیر / بَری: آزاد / مرکب: [illegible]
رخاکسار: عجز و انکساری / کشور: مملکت / تیرہ بخت: بدبخت / نہاں: پوشیدہ / عیاں: ظاہر

خاکساروں کا ہر اک دھبّے سے دامن پاک ہے
گرد آلودہ نہیں ہوتی زمیں پر چاندنی

کشورِ بغضِ علیؑ میں کیوں بسے ہیں تیرہ بخت
یاں نہ اوّل چاندنی ہے اور نہ آخر چاندنی

مہدیِؑ دیں ہیں نہاں، فیضِ ہدایت ہے عیاں
چاند جیسے ابر میں، اور جلوہ گستر چاندنی

جب کہ زنداں کے اندھیرے سے بہت گھٹا تھا دم
کہتے تھے بچّے: دکھا دو ہم کو دم بھر چاندنی!

ہوتے ہی طالع، کیا ماہِ جوانی نے غروب
وائے قسمت! دیکھنے پائے نہ اکبرؑ چاندنی

جب چھٹی کو تارے دیکھے، بانوؑ سے بولی قضا:
وادیٔ غربت کی اب دیکھیں گے اصغرؑ چاندنی

بے سوادوں کو نہیں تمیزِ حُسن و قبحِ نظم
جانتا ہے کور، سائے کے برابر چاندنی

طالع: طلوع ہونا / بے سواد: جاہل / تمیز: فرق / قبح: بدی / کور: اندھا / پا انداز: پیروں کے درمیان / چرخ: فلک / شہپر: اصلی پھوئے کے پر / خوشا طالع: خوش نصیب / اشتیاق: شوق / نہر لبن: دودھ کی نہر

عرشِ اعظم جن کے گھر کا، فرش پا انداز ہے
فرش کی خاطر نہ تھی ان کو میسّر چاندنی

ہر مہینے دشمنانِ دیں سے ہے سرگرمِ جنگ
چرخ پر رکھتی ہے ماہِ نو کا خنجر چاندنی

کھینچتا ہے عاشقوں کے دل کو نورِ کربلا
مرغِ شب آہنگ کی خاطر ہے جو شہپر چاندنی

اے خوشا طالع! کہ ہے نامِ حسنؑ سے ہم عدد
کیوں نہ ہو روشن دلوں میں نام آور چاندنی

اشتیاقِ سیر جنّت دیتی ہے بے شِیر کو
قاصدِ نہرِ لبن تھی، بہرِ اصغرؑ چاندنی

اصغرِؑ بے شِیر کی تربت پہ رکھنا چاہیے
چاند کا ہے، دودھ سے لبریز، ساغرِ چاندنی

احمدِؐ مختار ہیں نورِ خدا کے آسماں
حیدرؑ و زہراؑ قمر، شبیرؑ و شبّرؑ چاندنی

شام سے سامانِ صبحِ قتل کرتے تھے شہید
نور کا تڑکا تھی، بہرِ فوجِ سرورؑ چاندنی

پیشِ فرشِ روضۂ شبیرؑ طلعت پر ترے
خندۂ دندان نما کرتے ہیں اختر چاندنی

روضۂ حضرت کی گلشن میں اگر گلچیں بنے
بھر لے دامن میں گلِ خورشید انور چاندنی

ظلمتِ زندانِ عابدؑ سے ہے زخمی ان کا دل
ہے نمک پاشِ دلِ احبابِ حیدرؑ چاندنی

ہو گیا تھا خون غم سے خشک، رنگت تھی سفید
فرش پر سجادؑ کا تھا جسمِ لاغر چاندنی

روضۂ پُر نورِ مولاؑ میں بچھانی ہے اگر
مِہر کے چشمہ میں دھو، اے ماہ انور! چاندنی

گرد خیمے کے طلاے کو چلے عباسؑ جب
روشنی لے کر چلے، پیشِ دلاورؑ چاندنی

عکس خورشیدِ جبیں و ماہِ عارض جو پڑا
آسماں پر دھوپ نکلے اور زمیں پر چاندنی

نور تن، چھن چھن کے کڑیوں سے زرہ کے تھا عیاں
چار سو چار آئینے سے تھی برابر چاندنی

زیرِ راں شبدیز، وہ تھا بال جس کے سنبلہ
زین ماہ نو، عناں جوزا، تھی پاکھر چاندنی

اک مہِ داغِ عزا میں کتنے جلوے ہیں دبیرؔ!
قبر پر باہر چراغاں اور اندر چاندنی

۲

سلام

مُجرئی! شہؑ کو نہ کیوں خلقِ خدا یاد کرے
جو خدا کو تہِ شمشیرِ جفا یاد کرے

مُجرئی! ہند کو پھر میری بلا یاد کرے
درِ دولت پہ اگر شیرِؑ خدا یاد کرے

ہر قدم، شمر کا تھا حکم کہ وقتِ بے داد
نہ کوئی محکمۂ روز جزا یاد کرے

پشت پہ دُرّۂ بے داد لگاؤ اتنے
جب تلک زندہ رہے، زینِؑ عبا یاد کرے

کس طرح، خاک اڑا کر نہ دمِ سرد بھرے
باغِ زہراؑ کی خزاں کو جو صبا یاد کرے

اپنے ہر شیعہ سے مولاؑ کی یہ فرمائش ہے
جو پیے پانی، مرا خشک گلا یاد کرے

کلمہ گو، آہ! فراموش کریں حق اس کا
اُمت جدؐ کو جو ہنگام دعا یاد کرے

کہا بانو نے: نہ پانی بھی ملا میرے گھر
جا کے فردوس میں، بچہ مرا کیا یاد کرے

قطعہ

دیکھ کر چہرۂ اکبرؑ، یہ پکارے اعدا:
کون یوسفؑ کو، حضور اس کے بھلا یاد کرے

رُخ ہے وہ گلشنِ قدرت کہ بوقتِ گُل گشت
دل عنادل کا، نہ اک گُل کی صفا یاد کرے

گر نگہ خضر کی ہو، چاہِ ذقن سے سیراب
پھر نہ وہ ذائقۂ آبِ بقا یاد کرے

زلف وہ زلف کہ شیرازۂ اجزائے ثواب
ہے خطا یاں، جو کوئی مشکِ خطا یاد کرے

چشم وہ چشم کہ نظارہ کرے اس کا اگر
نرگسِ باغِ جناں کو نہ صبا یاد کرے

قدِ پُرنور ہے وہ شمع کہ دیکھے جو کلیم
شجرۂ طور کی ہرگز نہ ضیا یاد کرے

واہ! کیا نور ہے، کیا حسن ہے، اللہ اللہ!
ایسے بندوں کو نہ کیوں، مجدِ خدا یاد کرے

بولی صغریٰ کہ مسیحا نے بھلایا مجکو
گور اب یاد کرے یا کہ قضا یاد کرے

آہ! قتل اُس کے نواسے کو کریں، شہر سے دور
عرش پر اپنے قریں، جس کو خدا یاد کرے

پُرزے پُرزے کریں تن اُس کا مسلماں، صد حیف!
جس کو تعظیم سے قرآں میں خدا یاد کرے

سونا راتوں کا، سکینہؑ کو نہ بھولے کیوں کر
جب کہ دل سینۂ شاہِ شہداؑ یاد کرے

ہے یقیں، عشرتِ دنیا سے طبیعت بھر جائے
بعد عاشور جو رونے کا مزا یاد کرے

ننگے سر پھرنے سے، کس طرح نہ زینبؑ شرمائے
پردہ ماں کا، جو وہ محتاج رِدا یاد کرے

ذکر شبیرؑ کا یوں کرتی تھی صغریٰؑ بیمار
جیسے تپ میں کوئی آیاتِ شفا یاد کرے

دستِ فریاد، یقیں ہے کہ کفن سے ہو بلند
ضرب ذرّوں کی .اگر خیرالنساؑ یاد کرے

غرق ہو نوحؑ کے طوفان میں ہر کشتیِ چشم
گر بُکا میں کوئی عابدؑ کا بُکا یاد کرے

گو میں ذاکر ہوں، پہ محشر میں یہ خواہش ہے دبیرؔ!
سگِ در کہہ کے، مجھے شیرِؑ خدا یاد کرے

نہ تو جنت کی، نہ فردوس کی خواہش ہے دبیرؔ!
بس! نجف میں مجھے اب شیرِؑ خدا یاد کرے

۳

سلام

پیرو شہِ بے سر کا، ازل سے جو قلم ہے
اس واسطے، مُجرائی! سرِ خامہ قلم ہے

ہر بیت میں مضمون نیا، زیبِ رَقم ہے
مُجرائی! کلیدِ درِ غیب، اپنا قَلم ہے

در پیش خزاں، جوں گُلِ زہراؑ کی رَقم ہے
بلبل کی طرح نوحے میں، مُجرائی! قَلم ہے

وصفِ قدِ شبیرؑ کا کیا فیض، رَقم ہے
مانندِ الف راست، سلامی کا قَلم ہے

مدحِ شہؑ دیں لکھنے سے، کب سیر قَلم ہے
خالی، صفت گرسنہ، خامے کا شِکم ہے

مُجرائی! دریدہ جو گریبانِ قلم ہے
درپیش مگر، مرثیۂ شہؑ کی رَقم ہے

ازل: ابتدا ربیت: شعر رزیب: شان رکلید: کنجی روصف: تعریف رگرسنہ: بھوکا رودریدہ: پھٹا ہوا رودرپیش: سامنا

کیا پاسِ بزرگی، درِ شاہِؑ اُمَم ہے
مُجرائی! فلک دُور سے تسلیم کو خم ہے

وہ قبلۂ نور، اَبروے سلطانِ امم ہے
مُجرائی! فلک پر مہِ نو، سجدے کو خم ہے

یہ فیض ثناے قدِ سلطانِ اُمَم ہے
ہر مصرع سرسبز ہرا، سروِ اِرم ہے

مُجرائی! یہی موج کی سطروں میں رَقم ہے
سَقاؤں میں یکتا ہے، تُو سقاے حرم ہے

مُجرائی! سرِ فتح و ظفر، سجدے میں خَم ہے
تیغِ دو زباں، شاہؑ کی محرابِ حرم ہے

موزوں جو، ثناے شرفِ اہلِ حرم ہے
مُجرائی! ہر اِک بیت مری، بیتِ حرم ہے

موسیٰؑ کو ندا آئی کہ نعلین اُتارو!
صحرا یہ نہیں، مقتلِ سلطانِ اُمَم ہے

جس طرح سے یہ پانچ نمازیں ہوئیں ہم پر
واجب، بہ خدا، پنجتنؑ پاک کا غم ہے

مہِ نو: نیا ہلال

شبیرؑ کے ہے، روئے کتابی سے، مشابہ
دنیا میں جواز اس لیے قرآں کی قسم ہے

قطعہ

یوں حُر سے مخاطب ہوئے کفّار، دمِ جنگ:
شادی ہے تجھے آج، ولیکن ہمیں غم ہے

واں فاقہ ہے اور پیاس، یہاں میوے ہیں اور نہر
واں ذلّت و خواری ہے، یہاں جاہ و حشم ہے

مانا کہ ہیں شبیرؑ، پیمبرؐ کے نواسے
پَر شام کا حاکم بھی، نہیں رتبہ میں کم ہے

کی تیغِ زباں حُر نے علَم، اور یہ پکارا
خاموش! وگرنہ ابھی سَر سب کا قلم ہے

سودا بہ رضا اپنا ہے، بازارِ قضا میں
حُبِّ شہِؑ دیں سکّہ ہے، دل حُر کا درم ہے

تم کو، مرے آقا کے شرف کیا نہیں معلوم؟
کعبے کی قسم! قبلۂ اربابِ ہِمَم ہے

خورشیدِ زمیں، بدرِ فلک، شمعِ مدینہ
سردارِ عرب ہے، وہی سلطانِ عجم ہے

کیا، حاکمِ شامی کو ہے شبیرؑ سے نسبت
وہ کفر، یہ اسلام وہ دَیر اَور یہ حرم ہے

وہ ظلم ہے، یہ عدل؛ وہ عِصیاں، یہ عِبادت
وہ رنج، یہ راحت؛ وہ ستم ہے، یہ کرم ہے

تم کور ہو کیا؟ دیکھو میرے واسطے، واللہ!
یہ حُور، یہ حُلّہ، یہ کوثر، یہ اِرم ہے

ہاتف نے ندا دی: نہ پھرا ہے، نہ پھرے گا
اے ناریو! حُر عاشقِ سلطانِ اُمَم ہے

قاسمؑ سے کہا، خطِ حَسنؑ، شاہؑ نے پڑھ کر:
وہ اس میں رقم ہے، جو مقدر میں رَقَم ہے

کس وقت حسینؑ آئے ہیں، اکبرؑ کے سرھانے
سینے میں تو پھل برچھی کا، اَور ہونٹوں پہ دَم ہے

خواہر سے کہا، خواب میں آ کر، شہِ دیں نے:
زینبؑ! ترے سر کھلنے کا کتنا مجھے غم ہے

قطعہ

عباسؑ کے بازو جو کٹے، کہنے لگا شمر:
اب قید کرو ان کو، کہ ہر شانہ قلم ہے

عباسؑ پکارے، نہ سمجھنا مجھے بے دست
اِک ہاتھ مرا تیغ ہے، اِک ہاتھ علم ہے

زہراؑ نے کہا: شیر ترائی میں ہے، کس کا؟
دریا سے ندا آئی کہ سقّائے حرم ہے

گھبرا کے سکینہؑ نے کہا پیاس بجھاؤ!
عباسؑ! تمھیں مالکِ کوثر کی قسم ہے!

رو رو کے، حرم پیٹ رہے تھے سرو سینہ
محراب، خمِ تیغ میں، سر شاہؑ کا خم ہے

کیا حُسن شہادت کا ہے، کیا شانِ عبادت
صف بستہ، جماعت کے عوض، لشکرِ غم ہے

جز قطرۂ خوں، دانۂ تسبیح ہے نایاب
ہم دم، دمِ تکبیر، فقط تیغ کا دم ہے

پہلو میں ہے سوفار، کلیجے میں ہے پیکاں
سینے میں سناں، حلق پہ شمشیرِ ستم ہے

لب شکر میں، سر سجدے میں، دل یادِ خدا میں
رُو جانبِ قبلہ ہے، نگہ سوئے حرم ہے

نایاب: نہیں ملتا/ سوفار: تیر کی نوک/ پیکاں: تیر

سجادؑ ہیں یوں تیز روِ راہِ رضا، واہ!
گویا کہ نہ زنجیر ہے پا میں، نہ ورم ہے

سجادؑ کے ہمراہیوں کی پوچھو نہ تفصیل
بس بیڑیاں ہیں، خار ہیں، پاؤں کا ورم ہے

عابدؑ نے کہا: کیوں مجھے پہناتے ہو زنجیر؟
بیمار کی زنجیر تو پاؤں کا ورم ہے

اِک جا ہیں، پس از مَرگ بھی، سردارؑ و علم دارؑ
ہر تعزیے کے پاس، گواہی کو علم ہے

کہتی تھی، مسلمانوں کی بستی میں سکینہؑ:
پانی دو ذرا سا! کہ مرا ہونٹوں پہ دم ہے

بانو نے کہا: باپ کے پہلو کو بسایا
واری گئی! اصغرؑ! مری الفت تمھیں کم ہے

بیٹے جو چلے رن کو، تو زینبؑ یہ پکاری:
سر، شہؑ پہ فدا کرنا! مرے سر کی قسم ہے!

غل کر کے، قیامت ابھی برپا کرے زنجیر
پر ہے یہ ادب، بیچ میں عابدؑ کا قدم ہے

سیلی کبھی لگتی ہے، کبھی چھنتا ہے گوہر
منھ سُرخ طمانچوں سے ہے، کانوں پہ ورم ہے

جلّاد بھی رویا، جو کہا شہؑ نے دمِ ذبح:
اے شمرِ لعیں! پانی! کہ اب ہونٹوں پہ دَم ہے

سَقّہ بھی موا ہے کوئی پیاسا؟ یہ بتا دے
دریا! تجھے سَقّائے سکینہؑ کی قسم ہے!

عباسؑ چلے رن کو، تو چلّائی سکینہؑ
جلد آنا چچا! تم کو مرے سَر کی قسم ہے

فرصت نہیں لکھنے کی دبیرؔ، آج وگرنہ
مضمون تو، کتنے ہی سلاموں کا بہم ہے

(۷۲)

بہتّر نوادر

سلاموں سے منتخب نادر اشعار

۱ متفق حُبِّ علیؑ پر ہوں، جو سب اہلِ جہاں — ایک بھی، پھر نہ قیامت میں، گناہ گار ملے
۲ رن میں بازارِ شہادت، جو قضا نے کھولا — سربکف، جنسِ شہادت کے خریدار ملے
۳ زینبؑ نے کہا حُر کی ضیافت میں کروں کیا — فاقے کے سوا، کچھ بھی مرے گھر میں نہیں ہے
۴ سلامی! خاک ہوئے، خاک سے غبار ہوئے — ابوترابؑ کے مرقد پہ یوں نثار ہوئے
۵ سلامی! ذرّہ نہ دوں آفتاب کے بدلے — نہ لوں میں عرش، درِ بوترابؑ کے بدلے
۶ مہماں ہے غمِ شاہؑ، دبیرؔ! اہلِ عزا میں — گو کرب و بلا، ہند کے کشور میں نہیں ہے
۷ زہے سخاوتِ عابدؑ، برہنہ پائی میں — تمام آبلۂ پا، لباسِ خار ہوئے
۸ بڑھایا نقطۂ اشکِ عزا نے رتبۂ چشم — کہ عین پر جو دیا نقطہ تو ہزار ہوئے
۹ ہر ایک دانۂ تسبیحِ کربلا ہے گواہ — کہ بوترابؑ کے سب لال، خاک سار ہوئے
۱۰ صغراؑ نسیمِ صبح سے بولی کہ ٹھہر جا! — کیا خوب تجھ سے آتی ہے، بُوئے پدر مجھے
۱۱ کتاب، وصفِ علیؑ میں، اگر لکھوں میں دبیرؔ — بناؤں تارِ شعاعی سے تارِ مسطر کے
۱۲ سینے میں نیزہ، حلق پہ خنجر، زبان پہ شکر — یہ حلم، جز حسینؑ، بھلا کس بشر میں ہے
۱۳ طوفاں اٹھا ہے آبِ دمِ ذوالفقار سے — ہستیِ اہلِ ظلم کی کشتی بھنور میں ہے
۱۴ جب دوا پیتی تھی صغراؑ، تو دعا کرتی تھی — باپ کا شربتِ دیدار میسّر ہوئے
۱۵ یہ بولی، دیکھ کے نرگس کو باغ میں، صغراؑ — کہ تو بھی کیا، گُلِ زہراؑ کے انتظار میں ہے
۱۶ تا، کمالِ چاردہ معصومؑ، روشن سب پہ ہو — چودھویں شب کو رہا کرتی ہے شب بھر چاندنی
۱۷ جب سفیدی، روضۂ شبیرؑ میں ہونے لگی — گرد روضے کے پھری چونے میں بل کر چاندنی
۱۸ مجرئی! فرشِ نجف سے، کب ہو ہمسر، چاندنی — چاندنی جھاڑو تو جھڑتی ہے، زمیں پر، چاندنی
۱۹ ہر مہینے دشمنانِ دیں سے ہے سرگرمِ جنگ — چرخ پر، رکھتی ہے ماہِ نو کا خنجر، چاندنی
۲۰ مال و زر کا کیا بھروسا، چاہیے فکرِ مآل — فی المثل ہے چار دن کی، اے تونگر، چاندنی
۲۱ تھی یاد، سکینہؑ کی جو پیاس، ان کو، تو شہؑ نے — منہ پھیر لیا، جب گئے کوثر کے برابر

۲۲ سینۂ شبیرؑ پر، بیٹھا رہا جب تک شقی — گنبدِ قبرِ رسولؐ اللہ، تھرّایا کیا
۲۳ غل کر کے قیامت ابھی برپا کرے زنجیر — پر ہے یہ اَدب، بیچ میں عابدؑ کا قدم ہے
۲۴ تسبیحِ حق میں صرف کیا رشتۂ حیات — دیکھو خدا کے واسطے طاعت امامؑ کی
۲۵ مثلِ دو طفل، شمس و قمر آئیں دَرس کو — زیرِ بغل کتاب لیے صبح و شام کی
۲۶ قالب میں شہؑ کے تیر تھے، بعد از وداعِ روح — سورج غروب ہو گیا، باقی کِرن رہی
۲۷ تیغ ہے برقِ غضب، شعلہ فشاں، آتشِ قہر — مرگ رہ جاتی ہے جس جا، یہ رَواں ہوتی ہے
۲۸ دبیرؔ! ہو گا خدا مشتریِ گوہرِ اشک — بھلا یہ رتبہ کہاں ہے، دُرِّ عدن کے لیے
۲۹ اکبرؑ کا دیکھ چاہِ ذقن، بول اُٹھے عدو — آبِ حیاتِ شہؑ، اِسی چاہِ ذقن میں ہے
۳۰ عابدؑ، غمِ پدر میں، یہاں تک ہوئے ضعیف — مثلِ حباب کچھ نہیں، ان کے بدن میں ہے
۳۱ کہا زہراؑ نے، شہؑ کی لاش سے، حُر کا نہ غم کھانا! — ردا زہراؑ نے، بیٹا! اُس کے لاشے پر اُڑھائی ہے
۳۲ جس طرح سے ہیں پانچ نمازیں، ہوئیں ہم پر — واجب، بخدا پنجتنؑ پاک کا غم ہے
۳۳ شاہؑ کہتے تھے، شہادت کی گواہی کے لیے — دامنِ افلاک پر، کافی ہے اصغرؑ کا لہو
۳۴ دیکھتا تھا انگلیوں پر شمر، واں خنجر کا دم — یاں اُچھلتا تھا گلوے ابنِ حیدرؑ کا لہو
۳۵ کیا غضب ہے! کاٹ کر شہؑ کا گلا، جلاّد نے — جا کے پونچھا چادرِ زینبؑ سے، خنجر کا لہو
۳۶ ذکر شبیرؑ کا، یوں کرتی تھی صغریٰؑ بیمار — جیسے تپ میں کوئی آیاتِ شفا یاد کرے
۳۷ کبریٰؑ پہ خاتمہ ہے حیا کا، کہ رات بھر — مانندِ شمع روتی تھی لیکن صدا نہ تھی
۳۸ ماں سے صغریٰؑ کہتی تھی، مجھ کو چھپا کر لے چلو! — میں منا لوں گی، اگر بابا خفا ہو جائیں گے
۳۹ جلائے لشکرِ ناری نے وہ خیامِ حسینؑ — تھے جن میں رشتۂ ایماں، طناب کے بدلے
۴۰ لقب، رسولؐ کا، اُمّی تھا، پر بہ فضلِ خدا — پڑھا تھا علمِ لدن، ہر کتاب کے بدلے
۴۱ مثال، قبلہ نما کو، جو دل سے شاہؑ کے دوں — قرار قلب کو ہو، اضطراب کے بدلے
۴۲ دودھ کی خاطر نہیں ہوتے ہیں گریاں، شیر خوار — بے زباں اطفال، گویا بہرِ اصغرؑ روتے ہیں
۴۳ زمیں پہ ذرّے نہ کیوں تڑپیں صورتِ اختر — کہ زیرِ خاک، ید اللہ کے ستارے ہیں

۴۴ اے مُجرئی! سکینہؑ بھی کیا کام کر گئی — بابا کے سر پہ سر کو رکھا اور مر گئی

۴۵ فلک کا بخل تو دیکھو کہ بہتے دریا پہ — حسینؑ امامؑ کو دی پیاس، آب کے بدلے

۴۶ شہید و بے کس و مظلوم و بے دیار غریب — ہر ایک لفظ یہ، شبیرؑ کے خطاب میں ہے

۴۷ شیرِ خاتونؑ قیامت کی جسے دھار ملے — مُجرئی! قہر ہے! اُس حلق سے تلوار ملے

۴۸ نبیؐ مدینۂ علم اور اس مدینہ میں — کنندۂ درِ خیبر ہے باب کے بدلے

۴۹ صفا رُخ میں وہ ہے، جو سُن لے کسی سے — نہ آئینہ دیکھے سکندر، دوبارہ

ذیل کے اشعار دبیرؔ شناسی، شاعرانہ تعلّی اور صنعتِ حسنِ تخلّص کی عمدہ مثالیں ہیں:

۵۰ فرصت نہیں لکھنے کی دبیرؔ، آج، وگرنہ — مضمون تو کتنے ہی سلاموں کا بہم ہے

۵۱ یہ سلامِ شہِؑ مظلوم کہا خوب، دبیرؔ! — دیکھوں انعام میں، مولاؑ تجھے کیا دیتے ہیں

۵۲ جب تک نہ ہوئے علم سے کچھ بہرہ، اے دبیرؔ! — کوئی نہ ڈالے، مرثیہ گوئی کے فن میں ہاتھ

۵۳ دبیرؔ! سبطِ رسولؐ خدا کے صدقے سے — ترا سلام یہ، نایاب روزگار ہوا

۵۴ دبیرؔ! اہلِ انصاف شاہد ہیں اس کے — سخن میں نیا ہے قرینہ ہمارا

۵۵ نیا مرثیہ نظم ہوتا ہے، ہر ماہ — دبیرؔ! اس کو سمجھو مہینا ہمارا

۵۶ تا چند کروں، شرح دبیرِؔ جگر افگار — اس غم کا ہر اک نکتہ، ہے دفتر کے برابر

۵۷ خوف کیا دشمنِ بے دیں کا، دبیرِؔ غمگیں — آبرو تیری ہے ہر دم، شہِؑ ابرار کے ساتھ

۵۸ خاقانِ سخن ہوں، میں دبیرؔ جگر افگار — سکّہ ہے، تخلّص مرا، اور نظم درم ہے

۵۹ بہرِ ثواب، نظم میں کرتا ہوں، اے دبیرؔ! — افسوس! اب جہاں میں نہ قدرِ سخن رہی

۶۰ جس پہ ہوتی ہے عنایات، شہِؑ دیں کی دبیرؔ! — اس کا مقبول، دو عالم میں سخن، ہوتا ہے

۶۱ گر دعوائے زباں ہے تو جوں شمع، اے دبیرؔ! — درکار خاموشی تجھے، ہر انجمن میں ہے

۶۲ صاحبِ فیض ہوں میں فیضِ شہِؑ دیں سے، دبیرؔ! — دُرِ شہوار بھی کم، میرے سخن سے، نکلے

۶۳ مقبول کی، یہ نظم، شہِؑ دیں نے، اے دبیرؔ! — شہرت ہوئی اِسی سے، ہمارے کلام کی

۶۵ در شہؑ، خواب اجل کے لیے، پاؤں جو دبیرؔ! — آنکھ کھل جائے کہ اب طالعِ بیدار ملے

٦٦۔ طالبِ دادِ مضامیں، عقلا سے ہے دبیر
بے خرد سے، نہیں دعواے ہنر کرتا ہے

٦٧۔ بے سوادوں کو نہیں تمیزِ حسن و قبحِ نظم
جانتا ہے کور، سائے کے برابر چاندنی

٦٨۔ لیتے ہیں شہ سے خلعتِ فردوس، اے دبیر!
کرتا ہے چاک، پنجۂ غم سے، کفن ہمیں

٦٩۔ دبیرِ خستہ کی، ہے عرض شہ سے
سخن سر سبز ہو، باغِ جناں میں

٧٠۔ غمِ حسینؑ سے روشن، عمل ہمارے ہیں
فلک ہے سینہ تو داغِ عزا ستارے ہیں

٧١۔ ہے عزّ و وقار اپنا، دبیر! اہلِ عزا میں
تقدیر میں مداحیِ شاہِ شہدا تھی

٧٢۔ طوفِ کعبہ کا تجھے شوق ہے، از بس کہ دبیر!
مضطرب دل، صفتِ قبلہ نما رہتا ہے

نمونۂ

صنائع وبدائع

دبیرؔ کا ایک شاہکار سلام، جو سترہ اشعار پر مشتمل ہے، ایک خاص صنعت اور صنعتِ جمع سے مالا مال ہے، اس سلام کے ہر شعر کے مصرعِ اولیٰ میں چار چیزوں کا ذکر ہے اور دوسرے مصرعے میں اس مضمون کو دلچسپ اور نئے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ہم بطورِ مثال چند شعر یہاں پیش کرتے ہیں:

ے
کوفے میں، کربلا میں، بقیعہ میں، طوس میں — مدفوں ہوئے بتولؑ کے دلبر، کہاں کہاں
گُل میں، شفق میں، لعل میں، خورشیدِ صبح میں — ہے رنگِ خونِ کشتۂ خنجر، کہاں کہاں
صفین میں، جمل میں، اُحد میں، تبوک میں — تنہا لڑے ہیں فاتحِ خیبر، کہاں کہاں
دنیا میں، آخرت میں، سقر میں، بہشت میں — ہے اختیارِ حیدرِ صفدر، کہاں کہاں
خورشید میں، قمر میں، ستاروں میں، برق میں — ہے نورِ آفتابِ پیمبرؐ، کہاں کہاں
غربت میں، گھر میں، قبر میں، محشر میں، اے دبیرؔ! — آئے مدد کو ساقیِ کوثر، کہاں کہاں

ذیل کے سلام کی بحر اور اسی ردیف اور قوافی میں حسرتؔ موہانی مرحوم کی غزل ملتی ہے، جس کے مطلع کا مصرع یہ ہے:

ع: سرکتی جائے ہے رُخ سے نقاب، آہستہ آہستہ

مرزا صاحب کے کچھ اشعار یہاں پیش کیے جا رہے ہیں:

ے
سلامی! کرتے تھے اکبرؑ خطاب، آہستہ آہستہ — نکالا ہے زخمِ دل کو، چل عقاب آہستہ آہستہ
کہا زینبؑ نے، دیکھوں اور، بھائی کو، کوئی ساعت — الٰہی ہو طلوعِ آفتاب، آہستہ آہستہ
کہا صغریٰ نے روکر آتشِ فرقت نے اے بابا! — کیا ہے طائرِ دل کو کباب، آہستہ آہستہ

ذیل کے چند اشعار میں حضرت علی اکبرؑ کا سراپا پیش کیا ہے، جو قادر الکلامی کے ساتھ ساتھ نادر الکلامی کی بھی عمدہ مثال ہے:

رُخ ہے وہ گلشنِ قدرت کہ بوقت گُل گشت — دل عنادل کا، نہ اِک گل کی صفا یاد کرے
گر نگہ خضر کی ہو، چاہِ ذقن سے سیراب — پھر نہ وہ ذائقۂ آبِ بقا یاد کرے
زلف وہ زلف کہ شیرازۂ اجزائے ثواب — ہے خطا یاں، جو کوئی مشکِ خطا یاد کرے
چشم وہ چشم کہ نظارہ کرے اس کا اگر — نرگسِ باغِ جناں کو، نہ صبا یاد کرے

قدِ پُرنور ہے وہ شمع، کہ دیکھے جو کلیم — شجرِ طور، کی ہرگز نہ ضیا، یاد کرے

چاندنی کی ردیف میں چند شعر دیکھیے:

ـــ بارہا لکھا ہے شب کو، حُسنِ رخسارِ حسینؑ — روشنائی میں مرتّب کی ہے اکثر چاندنی

ـــ احمدِؐ مختار ہیں نورِ خدا کے آسماں — حیدرؑ و زہراؑ قمر، شبیرؑ و شبرؑ چاندنی

مرزا دبیر کا ایک عمدہ سلام، جو چھتیس اشعار پر مشتمل ہے، جس کی ردیف "دوبارہ" ہے، اس سلام کے چند اشعار یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

ـــ جلا خیمۂ شہؑ تو بولے ملائک — نبیؐ کا، جلایا گیا گھر دوبارہ
بکھری لُوٹ، بعد از وفاتِ سکینہؑ — پہننے نہ پائی وہ گوہر دوبارہ
چھِنا تھا مدائن میں، پھر کربلا میں — لُٹا شہر بانو کا زیور دوبارہ
کہا والدہ نے یہ مرنے کی جلدی — نہ ہچکی بھی لی تم نے اکبرؑ دوبارہ
اجاڑا تھا، اے چرخ! کس طرح تُو نے — بسا جو نہ سادات کا گھر دوبارہ

مرزا دبیرؔ کا ایک طویل، ساٹھ (۶۰) اشعار کا سلام ہے، جس میں عمدہ مکالمہ نگاری ہے اور مکالمہ کی صورت کو مرزا دبیر نے اپنی طبیعت کی جولانی سے پیدا کر کے مصائب کو پیش کیا ہے۔ قطعہ بند اور طویل مکالمہ نگاری دبیرؔ کی اہم شناخت ہے۔ ہم اس موقعے پر صرف چند اشعار پیش کر کے اپنے مدّعا کو ثابت کریں گے کہ سلاموں میں یہ مکالمہ نگاری دبیرؔ ہی کا حق اور فن تھا، جو ان ہی کے ساتھ ختم بھی ہوگیا:

یثرب میں، آئی خواب میں زینبؑ کے، یوں بتولؑ — ماتھا بھرا تھا خون سے، سر پر ردا نہ تھی
ـــ زینبؑ نے پوچھا کس کے لہو سے جبیں ہے لال؟ — تم پر تو آفتِ سفرِ کربلا نہ تھی
رو کر کہا بتولؑ نے، تم یاد تو کرو! — کس وقت، کس جگہ، میں شریکِ عزا نہ تھی؟
روئی تمھارے ساتھ، بہترؑ کی لاش پر — زینبؑ! میں کس شہید کی صاحب عزا نہ تھی؟
جھاڑا تھا کس نے بالوں سے، صحرائے کربلا! — ہے ہے! میں کربلا میں شبِ قتل، کیا نہ تھی؟
تھامی تھی تم نے جس گھڑی، مظلوم کی رکاب — کیا ساتھ ساتھ گھوڑے کے میں ننگے پا نہ تھی
جب تم گری تھیں، بھائی کے مردے پر، اونٹ سے — کیا بال کھولے لاش پہ خیر النساؑ نہ تھی

یثرب سے تابہ ماریہ، اور واں سے تابہ شام　زینبؑ کہیں حسینؑ سے زہراؑ جدا نہ تھی
زینبؑ نے عرض کی کہ بجا کہتی ہیں جناب!　اے والدہ مجھے خبرِ دست و پا نہ تھی

صنعتِ جمع: گھوڑے کے صفات۔ نادر مضمون

صنعتِ مبالغہ: عنقا ہے یہ مرکب کہ عقابِ علی اکبرؑ　قدرت کا کرشمہ، رگ و ریشہ میں بہم ہے
چھل بل ہے، چھلاوہ ہے، توہم ہے! تصور　اژدر نفس و برق تگ و صاعقہ دم ہے
دریا اثر و شعلہ خواص و شرر آگیں　آہو رم و طاؤس دم و شیرِ شیم ہے
اس رخش کا سایہ ہے ہما، جست ہے بجلی　سیماب پسینہ ہے ہوا گردِ قدم ہے

صنعتِ جمع: رعشہ، ورم، بخار، غشی، ضعف، دردِ سر　عابدؑ کو اتنے عارضے تھے اور دوا نہ تھی

صنعتِ حسن تعلیل: تشنگیِ شہِ دیں، جب میں رقم کرتا ہوں　خشک، ہر حرف پہ، خامے کی زباں ہوتی ہے

صنعتِ حسن تعلیل: ہم کو انجم سے ہے ثابت کہ غمِ مولا میں　آہِ سکانِ فلک، شعلہ فشاں ہوتی ہے

صنعتِ حسن تعلیل: پیکاں نہیں لگی، اِسی حیرت سے مومنو!　انگلی ہر ایک زخم نے، رکھی دہن میں ہے

صنعتِ حسن تعلیل: پیرو، شہِ بے سرکا، ازل سے جو قلم ہے　اس واسطے، مجرائی! سرِ خامہ قلم ہے

صنعتِ حسن تعلیل: مدحِ شہِ دیں لکھنے سے، کب سیر قلم ہے　خالی، صفتِ گرسنہ، خامے کا شکم ہے

صنعتِ حسن تعلیل: کیا پاس بزرگیِ درِ شاہِ اُمم ہے　مجرائی! فلک دُور سے، تسلیم کو خم ہے

صنعتِ حسن تعلیل: کر کر یہ آہِ بارِ شرر بار، اے دبیرؔ!　تابندہ برق ہوتی ہے اکثر، سحاب میں

صنعتِ حسن تعلیل: گورِ زہراؑ کے پسر کو نہ ملی، تا چہلم　اس لیے دشت، ہر اک خاک بہ سر کرتا ہے

صنعتِ حسن تعلیل: پا پیادہ جو گلِ فاطمہؑ ہے، اِس غم سے　آبلہ زیرِ قدم، چشم کو تر کرتا ہے

صنعتِ حسن تعلیل: مہدیِ دیں ہیں نہاں، فیضِ ہدایت ہے عیاں　چاند جیسے ابر میں، اور جلوہ گستر چاندنی

صنعتِ سوال و جواب کے یہ دو شعر عمدہ مثال ہیں:

ـــ　مگر اس شب کو ہے وہ شکلِ پُرخوں　فرشتے کہتے ہیں یا رب! یہ کیا ہے؟
ندا آتی ہے عرشِ کبریا سے　فرشتو! وقتِ فریاد و بکا ہے

سہلِ ممتنع: کہا والدہ نے یہ مرنے کی جلدی؟　نہ ہچکی بھی لی تم نے، اکبرؑ، دوبارہ

ان اشعار میں صنعتِ جمع، صنعتِ جمع و تفریق و تقسیم اور صنعتِ لف و نشر کی آرائش ہے:

تم کو، مرے آقا کے شرف، کیا نہیں معلوم
کعبے کی قسم! قبلۂ ارباب ہمم ہے

خورشیدِ زمیں، بدرِ فلک، شمعِ مدینہ
سردارِ عرب ہے، وہی سلطانِ عجم ہے
کیا حاکمِ شامی کو ہے شبیرؑ سے نسبت
وہ کفر، یہ اسلام، وہ دَیر، یہ حرم ہے
وہ ظلم ہے، یہ عدل، وہ عصیاں، یہ عبادت
وہ رنج، یہ راحت، وہ ستم ہے، یہ کرم ہے

صنعتِ سیاق الاعداد: علیؑ کی تیغ دو سر سے عدو جو چار ہوئے — یہ ایک وصف تھا اس میں کہ دو کے چار ہوئے

گردشِ میں آسماں ہے کیا شش و پنج، اے دبیرؔ! — ہے دو عالم میں وسیلہ ہم کو ہشت و چار کا

ہزار و نو صد و پنجاہ و یک جراحت تھے — خدا کی راہ میں شبیرؑ، جب نثار ہوئے

لاریب، شش جہت میں وہی سر بلند ہے — جو سر پہ مارتا ہے، غمِ پنجتنؑ میں، ہاتھ

صنعتِ مذہب الکلامی: تعمیر اس لیے کیا کعبہ، خلیلؑ نے — قابل کوئی ولادتِ حیدرؑ کے، جا نہ تھی

صنعتِ سیاق الاعداد: صنعتِ تکرار، صنعتِ جمع اس شعر میں دیکھیے:

ایک حُر، ایک پسر، ایک غلام، اک بھائی
عاشقِ پنجتنؑ اُس فوج سے، یہ چار آئے

صنعتِ ذوالّلسانین (فارسی + اُردو)

زہے حسینؑ کہ سازند سبحہ از خاکش — ہے خاک ذکر میں گویا، جناب کے بدلے

صنعتِ طباق تدبیج: سیاہ پوش حرم اور سرخ پوش حسینؑ — فلک نے رنگ کیے، انقلاب کے بدلے

قطعہ بند: جناں گھر، ملک پاسباں، عرش کرسی — فلک منبرِ ہفت زینہ ہمارا

ہمیں فقر و فاقہ، تجھے زر مبارک — یہ دولت تری، وہ خزینہ ہمارا

قطعہ بند: نسیمِ غنچۂ تسلیم، زیبِ باغِ نعیم — بہارِ گلشنِ صبر و رضا حسینؑ حسینؑ

صنعتِ ذوالِلسانین: مرادِ کُن فیکوں، شرحِ آیۂ لولاک — چراغِ طاقِ علومِ خدا حسینؑ حسینؑ

حواسِ خمسۂ زہراؑ قرارِ شیرؑ خدا — امامِ خامسِ آلِ عباؑ حسینؑ حسینؑ

پُلِ صراط سے بے شک، اُتر ہی جائیں گے — زباں سے کہہ کے یہ، اہلِ عزا حسینؑ حسینؑ

قطعہ بند: آفاق دنگ، ابلقِ ایّام لنگ تھا — آواز سُن کے دُلدلِ محشر خرام کی

صنعتِ ترصیع: مرحب بڑھا اُدھر سے، اِدھر سے خدا کا شیرؑ — آتے ہی اُس نے ضرب لگائی حسام کی

صنعتِ تضاد: کھینچی اُدھر سے، دستِ خدا نے، جو ذوالفقار — فتنے نے اپنی تیغ، میانِ سنام کی

صنعتِ مراعات النظیر: اک دم میں قصرِ چار عناصر بہا دیا — اللہ رے آبِ تیغِ جنابِ امامؑ کی

صنعتِ جمع: انصاف و حلم و علم و دلیری وجُود و زُہد — تجھ پر، خدا نے ساری فضیلت، تمام کی

قطعہ بند: مدّاحِ سراپا، لبِ انصاف سے سب ہیں — غل ہے، یہ جواں، جانِ عرب، جسمِ عجم ہے

سراپا حضرت علی اکبرؑ: بابا مدنی، ماں عجمی، جد، اسدُ اللہ — خود شکل میں، محبوبِ خدا، میرِ اُمم ہے

صنعتِ مراعات النظیر: وصفِ دہنِ تنگ میں، عیسیٰؑ کی زبان لال — گویا یہ دلیلِ رہِ باریکِ عدم ہے

صنعتِ تنسیق الصفات: قامت ہے وہ قامت کہ حضورؐ اُس کے شرف سے — انگشت سے کم، سروِ گلستانِ ارم ہے

صنعتِ لف ونشر مرتب: دیکھو! سر و پیشانی و ابرو کا قرینہ — یہ عرش ہے، یہ لوح، یہ قدرت کا قلم ہے

حق اس کا ہے نقّاشِ خلیلؑ اس کا ہے معمار — اَبرو کے مقابل، کہاں محرابِ حرم ہے

کیا رتبۂ یاقوت و شکر پیشِ لبِ سرخ — یہ لعل ہے، وہ سنگ ہے، یہ شہد، وہ سم ہے

حسرت ہے کہ یہ شیرِ قوی، ہاتھ سے کھینچے — ہر وقت کمانِ فلک، اس واسطے خم ہے

ایک اور مقام پر حضرت علی اکبرؑ کا سراپا یوں پیش کیا ہے:

رخ وہ رخ کہ ابھی عکس جو اس کا پڑ جائے — ٹکڑے پوشاکِ قمر، مثلِ کتان ہوتی ہے

ے لب ہے وہ لعل، کہ پیمانہ بدخشاں جس کا — لال، اس لعل کی مدحت میں، نہاں ہوتی ہے

قطعہ بند کربلا کے دُلہا نوشاہ تو حسنؑ کی طرح سے، ہے کم سخن — مظلومیّتِ حسینؑ کی بالکل، دُلھن میں ہے

دُلھن: پروانہ ساں ہے ایک تو، اک شمع ساں خموش — صحبت عجیب طرح کی دُلہا دُلھن میں ہے

صنعتِ ذوالّلسانین: الا یا عین جودی واسعدنیا — یہی، کلثوم کی، اس شب صدا ہے
الافا بکی امیر المومنینا — کہ اس رونے کی، عقبیٰ میں جزا ہے

تمیحِ ذوالّلسانین: زعفر جن، مع افواج بہ میدانِ ستم — آیا جس دم مددِ سبطِ پیمبرؐ کے لیے

صنعتِ تضمین: نعرہ کیا حُر نے کہ توکلت علی اللّٰہ — دنیا میں ترا جاہ ہے، محشر میں نہیں ہے

صنعتِ اعداد: اے خوشا طالع! کہ ہے نامِ حسنؑ سے ہم عدد — کیوں نہ ہو روشن دلوں میں، نام اور چاندنی

صنعتِ جمع و تقسیم: شہید و بے کس و مظلوم و بے دیار و غریب — ہر ایک لفظ یہ، شبیرؑ کے خطاب میں ہے

سہلِ ممتنع: اے مجرئی! سکینہؑ بھی کیا کام کر گئی — بابا کے سر پہ سر کو رکھا، اور مر گئی

صنعتِ لف و نشر غیر مرتب:

خلد و طوبیٰ و نہرِ کوثر ہے — کاغذ و خامہ و مداد علیؑ

صنعتِ تکرار: حالِ صغریٰؑ نے جو پوچھا، تو یہ زینبؑ نے کہا — دکھ پہ دکھ، غم پہ غم، آزار پہ آزار ملے

صفتِ تلمیح: نبیؐ مدینۂ علم اور اس مدینہ میں — کنندۂ درِ خیبر ہے باب کے بدلے

(کنندۂ درِ خیبر سے مراد حضرت علیؑ ہیں) (باب یعنی دروازہ سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ اس میں مشہور حدیث کی طرف اشارہ ہے)۔

نمونۂ الوداع

مطلع: اربعین کے سوگوار! الوداع!

O

اربعین کے سوگوارو! الوداع!
آخری مجلس ہے یارو! الوداع!

خاتمہ بالخیر، چہلم کا ہوا
الوداع! اے اشک بارو! الوداع!

کہتے تھے گنجِ شہیداں پر حرم:
فاطمہؑ زہرا کے پیارو! الوداع!

دشت سُونا، پاس بستی بھی نہیں
بے دیاروں کے مزارو! والوداع!

کربلا کی خاک کو سونپا تمھیں
عرشِ اعظم کے ستارو! الوداع!

بخیہ و مرہم نہ، زخموں کا ہوا
مرتضیٰ کے رشتے دارو! الوداع!

گھر کہیں، قبریں کہیں، کنبہ کہیں
بے مکانو! بے دیارو! الوداع!

اکبرؑ و اصغرؑ، علیؑ کی ضامنی
نوجوانو! شیر خوارو! الوداع!

قبر سے آواز دیتے ہیں حسینؑ
لو بہن زینبؑ! سدھارو! الوداع!

مومنو! اب تم بھی، مانندِ دبیر
روؤ، پیٹو اور پکارو! الوداع!

نمونۂ مرثیہ

مطلع: جب پریشان ہوئی مولاؑ کی جماعت رَن میں

مطلع: طغرئ نویسِ کن فیکوں، ذوالجلال ہے

O

طغرا نویس کن فیکوں، ذوالجلال ہے
فرمانِ حق میں، سلطنت بے زَوال ہے
بندے سے ہو خدا کی ثنا، یہ محال ہے
اس جازبان، طوطیِ سدرہ کی، لال ہے
عالم کو اپنے زَور کا عالم دِکھا دیا
ظلمت کو نور، خاک کو آدم بنا دیا

خورشید کا غروب، قمر کا طلوع ہے
آخر ہوئی جو شب، تو سپیدا شروع ہے
ہر ایک سوے قبلۂ طاعت، رجوع ہے
ظاہر ہے ماہِ نو سے کہ صرفِ رکوع ہے
لطف و غضب سے چہرے، سفید و سیاہ ہیں
وحدت پہ اس کی شام و سحر، دو گواہ ہیں

بری ہے مشقِ خامۂ قدرت ہر اک سحاب
دھوتا ہے اُس کو خادمِ باراں، بہ آب و تاب
اِبری کے خشک کرنے پر سرگرم، آفتاب
ہر نقطہ، مثلِ اخترِ تابندہ، انتخاب
جاری، جو نقش بندِ ازل نے، قلم کیا
کیا خوب، شش جہت کا مُسدّس، رَقم کیا

اے جَلّ شانہ، وہ غفورُ الرّحیم ہے
ہم سب ہیں دَرد مَند وہ کُل کا حکیم ہے
رحمان و مُستعان و رؤف و حلیم ہے
اُس کے سوا بھلا، کوئی ایسا کریم ہے؟
ایماں بھی دے، مراد بھی دے، عزو جاہ بھی
روزی بھی بخشے خُلد بھی، بخشے، گناہ بھی

ماہی کو آب، ماہ کو بخشا ہے قُرصِ ناں
تاروں کو نُقل، شمس کو تنورِ آسماں
نرگس کو آنکھ، غنچہ کو گل، سرو کو زباں
پتھر کو لعل، کوہ کو بخشی شکوہ و شاں
قطرے کو دُرّ عطا کیا، ذرّے کو زر دیا
کیا خشک وتر کو، فیض سے آسودہ کر دیا

کیا کیا بیاں کروں، میں عنایاتِ کبریا
پیدا پیمبروں کو، پے رہبری کیا
ہم کو محمدِ عربی سا نبیؐ دیا
بسم اللہ صحیفۂ فہرستِ انبیا
آگے جو انبیاے ذوی الاقتدار تھے
محبوبِ کردگار کے، وہ پیشکار تھے

آفاق بہرہ ور ہوا، حضرت کی ذات سے
آگاہ ذات نے کیا، حق کی صفات سے
تصدیق حکمِ ربّ کی ہوئی، بات بات سے
رفتار نے لگا دیا راہِ نجات سے
سیکھے طریقے قرب خدا کے، حضورؐ سے
گمراہ، آئے راہ پہ، نزدیک و دور سے

سینوں سے سب کے، دُور ہوا دردِ بے دلی
باقی رہی نہ پیروں میں سُستی و کاہلی
معراج ان کے ہاتھ سے اعجاز کو ملی
واں چاند ٹکڑے ہو گیا، انگلی جویاں ہلی
انگلی سے دو، قمر کو کِیا، کس جلال سے
غُل تھا کہ قُفل چاند کا کھولا، ہلال سے

سرتا قدم لطیف تھا پیکر، مثالِ جاں
اس وجہ سے نہ سایہ بدن کا، ہوا عیاں
قالب میں سایہ ہوتا ہے، پرُ روح میں کہاں
سایہ انھیں کا ہے، یہ زمینوں پہ آسماں
معراج میں جو وارد چرخِ نہم ہوئے
سائے کی طرح، راہ سے، جبریلؑ گم ہوئے

سایہ میں ڈھونڈتا تھا، رسولؐ غیور کا ‏ سائے کے بدلے مل گیا، مضمون نُور کا
قالب جو بن چکا، ملک و جنؑ وحور کا ‏ تقسیم شیعوں میں ہوا، سایہ حضورؐ کا
سائے سے، ان کے شیعوں کے پرنور دل بنے
دل بن چکے تو دیدۂ حق بیں کے تل بنے

سایہ بدن کا، پاس ادب سے جدا رہا ‏ محبوب سے ہمیشہ، وصال خدا رہا
یہ عاشق خدا بھی خدا، پر فدا رہا ‏ سائے سے اپنی دُور، رسولِ ہدا رہا
دیکھو یہ باغِ نظم، جو رغبت ہو سیر کی
پرچھائیں تک نہیں یہاں، مضمونِ غیر کی

مصرف میں اِک عبا کو، شب وروز لاتے تھے ‏ آدھی تو اوڑھتے تھے اور آدھی بچھاتے تھے
سائل کو اپنا قوت، خوشی سے کھلاتے تھے ‏ اُمت کے بھوکے رہنے کا، خود رنج کھاتے تھے
ناداروں کا قلق سے افاقہ، پسند تھا
اپنا اور اپنی آلؑ کا فاقہ، پسند تھا

لوح جبیں پہ سنگ لگا، بد دُعا نہ کی ‏ بیگانوں کے گلے سے زباں، آشنا نہ کی
اور عین عارضے میں نظر، جز خدا نہ کی ‏ بخشی شفا مریضوں کو، اپنی دوا نہ کی
شکرانہ عافیت پہ، تحمل بلا پہ تھا
ہر حال میں نبیؐ کو توکل خدا پہ تھا

آدم ہے قبلہ، اور ہے مسجود، ہر مَلک ‏ کُرسی ہے اُن کی منبرِ مُہ، زینۂ فلک
جاروبِ صحنِ خانہ ہے، جبریلؑ کی پلک ‏ حوروں کی آنکھیں فرش ہیں، عرشِ عُلا تلک
لطفِ خُدا کا، مومنوں پر اختتام ہے
ایسا نبیؐ ہے اور، علیؑ سا امام ہے

اہلِ عطا میں تاجِ سرِ ہل اتا، یہ ہیں
اغیار لاف زن ہیں، شہ لافتا، یہ ہیں
خورشیدِ انورِ فلک اِنّما، یہ ہیں
کافی ہے یہ شرف کہ شہِ قل کفا، یہ ہیں
ممتاز گو خلیل، رسولانِ دیں میں ہیں
کاشف ہے لوکشف یہ زیادہ یقیں میں ہیں

باطل، ہر ایک مذہب دیرینہ، کر دیا
سینوں سے غم، دلوں سے جدا کینہ، کر دیا
لبریز حب حق سے، ہر اک سینہ کر دیا
آئین، دین و شرع کا، آئینہ کر دیا
روشن ہے یہ حدیث، رسولِ غیور سے
پیدا ہوئے ہم اور علیؑ؛ ایک نُور سے

حق سے کیا علاحدہ باطل کو یک قلم
کعبے سے بت، یقین سے شک، عدل سے ستم
وحدت سے شرک، خیر سے شر، دَیر سے حرم
عصیان سے توبہ، کفر سے دیں، بخل سے کرم
ثابت، ہر ایک قطع سے، توحید کو کیا
چن چن کے مشرکوں کو تہِ تیغ، دو کیا

مولا علیؑ امام علیؑ، مقتدا علیؑ
دستِ خدا علیؑ ہے، زبانِ خدا علیؑ
ہم کیا ہیں، انبیاؑ کا ہے مشکل کشا علیؑ
مشکل میں سب کے منہ سے نکلتا ہے: یا علیؑ!
ہر سمت، بے عصا جوروان، چرخِ پیر ہے
باعث یہ ہے، کہ نامِ علیؑ دستگیر ہے

کعبے کو فخر، اس شہِ گردوں نشیں سے ہے
ممتاز وہ، ولادتِ سلطانِ دیں سے ہے
بیشک، شرف مکان کا، ذات مکین سے ہے
کرسی کا پایہ اَوج پہ، عرش بریں سے ہے
پر حقِ خانہ زادیِ حق، کیا ادا کیا
مسجد میں، روزہ دار نے سر کو فدا کیا

تھا، قابلِ ولادتِ حیدرؑ، نہ کوئی گھر کعبہ کیا خلیل نے تعمیر، سر بسر
آئی زمیں پہ عرش سے، شمشیرِ شعلہ ور پایا خدا کے ہاتھ کو راغب، جو تیغ پر
قابل خدا کے ہاتھ کے، بس ذوالفقار ہے
نُو قُبّہِ فلک سے چمک جس کی پار ہے

گیارہ اماموں کے ہیں پدر، شاہِ ذوالفقار پر بارھواں امام ہے مہدیؑ نامدار
بدلی میں آفتاب ہے اور دن ہے آشکار غیبت میں اُن کے فیض سے، ایماں ہے برقرار
یوں اہلِ حق نے ان کو امامِ ہدا کہا
بن دیکھے جس طرح سے خدا کو خدا کہا

سیدانیاں مدینے کی، بازارِ شام میں خاصانِ ذوالجلال اور انبوہِ عام میں
اور اہل کوفہ، شادیوں کے اِہتمام میں سرننگے اہلِ بیت، عزائے امام میں
عاشور کا وہ دن ہے کہ سب خلق روتی ہے
کعبے میں، ہائے! آج تلک عید ہوتی ہے

بس اے دبیر! طول سخن کو نہ دے زیاد آباد لکھنؤ کو رکھے خالقِ عباد
عالم ہیں وہ کہ حافظِ ایمان و اِعتقاد والیِ ملک، حافظ جاں ہے بہ عدل وداد
یا ربّ! ظہورِ مہدی ہادیؑ، شتاب ہو
دیدار سے، ہر ایک محبّ، فیض یاب ہو

O

نیم بسمل نے زبان سے جو کہا: بسم اللہ!
تیر مارا ابو ایوب نے لَب پر، ناگاہ
دَر سے سیّدانیاں چلاّئیں کہ اِنّا لِلّٰہ
ہائے! یہ ظلم نمازی پہ، عیاذاً باللہ
واجب القتل کو ہے، آب و غذا کی مہلت
جانِ زہراؑ کو نہیں، فرضِ خدا کی مہلت

زینتِ عرشِ خدا، خاک پہ اُفتادہ ہے
نہ بچھونا ہے، نہ مسند ہے، نہ سجّادہ ہے
شِمر خنجر لیے بالیں پہ اِستادہ ہے
کوئی اتنا نہیں کہتا کہ نبیؐ زادہ ہے
قصد سجدے کا اِدھر، قبلۂ دیں کرتا ہے
نیّتِ ذبح اُدھر، شِمرِ لعیں کرتا ہے

آہ! آخر ہوئی شہؑ کی جو نمازِ آخر
دیکھا، خنجر لیے بالیں پہ کھڑا ہے کافر
ننگے سَر دَر پہ ہے، سب آلِ رسولؐ طاہر
آئی آوازِ شہادت، کہ ہوں میں بھی حاضر
تیغِ قاتل نے کہا: حلق کے خاطر ہوں میں
شہؑ نے فرمایا، کہ تقدیر پہ شاکر ہوں میں

خنجرِ ظلم کو چمکا کے، پکارا دشمن:
بوسہ گاہِ نبویؐ کاٹوں میں اب، یا گردن
بولے شہؑ، جس میں تُو راضی ہو، نہیں جائے سخن
حلق یہ، حلقِ پیمبرؐ ہے، یہ تن، اُن کا تن
دیکھ سَر ننگے، ہر اک حورِ جناں آتی ہے
ابھی سینے پہ نہ چڑھنا، مِری ماں آتی ہے

ناگہاں آئی یہ آواز کہ امّاں صدقے! میرے ماں باپ فدا، میں ترے قرباں! صدقے!
کون کون آج ہوا تجھ پہ، مری جاں! صدقے پیر کتنے ہوئے، کتنے ہوئے ناداں، صدقے
قتل گہ کو، ابھی جنت سے جو میں آتی تھی
حور، اِک ننھے سے لاشے کو لیے جاتی تھی

دُور سے، میں نے کھڑے ہو کے، جو کی اُس پہ نظر دودھ سے باچھیں، لہو سے تھا تن، اُس بچّے کا تر
باہیں ننھی سی، لٹکتی تھیں اِدھر اور اُدھر رو کے شہؑ بولے، وہ تھا آپ کا پوتا اصغرؑ
نخل اِس باغ کے، بے پھولے پھلے کٹتے ہیں
اَب تلک صبح سے، پیاسوں کے گلے کٹتے ہیں

قافلہ لُٹ گیا، امّاں! مرا لشکر نہ رہا جَدِّ امجد کی نشانی، علی اکبرؑ نہ رہا
رہ گیا دَردِ کمر، ہائے! برادر نہ رہا اَب خبر آپ نے لی گھر کی، کہ جب گھر نہ رہا
ایک میں ہوں، سو مجھے ذبح کی مشتاقی ہے
بوسہ گاہِ نبویؐ، کٹنے کو اَب باقی ہے

اَب دَمِ ذبح، یہ پورے مرے ارماں کرنا گود میں لے کے، خدا پر مجھے قرباں کرنا
میرے لاشے پہ، نہ تم نالۂ و افغاں کرنا عرش کے نیچے، نہ بالوں کو پریشاں کرنا
قلزمِ قہرِ خدا، جوش میں گر آئے گا
اُمّتِ جَد کا سفینہ، ابھی بہہ جائے گا

گفتگو مادر و فرزند میں، یہ ہوتی تھی، آہ! روتی تھی فاطمہ، مشتاقِ شہادت تھے شاہؑ
آستیں غصّے سے، قاتل نے چڑھائی ناگاہ تیغِ جلّاد پہ کی، شاہؑ نے حسرت سے نگاہ
شمر نے پوچھا: کوئی عذر تمھیں اَب تو نہیں؟
بولے شہؑ: دیکھ لے! دَروازے پہ زینبؑ تو نہیں!

وہ پکارا: نظر آتی نہیں دَر پر زینبؑ — پیٹتی پھرتی ہے خیمے میں، کھلے سَر، زینبؑ
گر سرا چوں، سے چلی آئے گی باہر، زینبؑ — روک سکنے کی نہیں، اب مرا خنجر، زینبؑ
حلق دونوں کے، میں بے خوف وخطر کاٹوں گا
ایک خنجر سے، بہن بھائی کا سَر کاٹوں گا

آئی زہراؑ کی صدا: شمر تو نابینا ہے — دَر پہ زینبؑ نہیں، بالیں پہ مگر زہراؑ ہے
اَرے بے رحم! خطا میرے پسر کی کیا ہے؟ — آستیں اُلٹی ہے کیوں، تیغ کو کیوں کھینچا ہے
کیا اسے پالا تھا میں نے، ترے خنجر کے لیے
میرے بچے کو نہ کر ذبح، پیمبرؐ کے لیے

نہ خزانہ، نہ اثاثہ، نہ یہ زَر رکھتا ہے — سلطنت پر، نہ ریاست پہ، نظر رکھتا ہے
فوج بے جاں ہوئی، اِک اپنا یہ سَر رکھتا ہے — یاں مسافر ہے، نہ ہمسایہ، نہ گھر رکھتا ہے
اِس کے بعد اہل وعیال اس کے کدھر جائیں گے
اِس کے مرنے سے، بنی فاطمہؑ مر جائیں گے

یہ سُنا شمر نے اور حلق پہ خنجر رکھا — بڑھ کے زہراؑ نے گلا، خشک گلے پَر رکھا
بوسہ شہ رگ پہ دیا، زانو پہ پھر سَر رکھا — اور دامانِ کفن، آنکھوں پہ، رو کر رکھا
شاہِ بے کس، جو تہِ زانوے قاتل تڑپے
یوں زمیں تڑپی، کہ جس طرح سے بسمل تڑپے

دیکھ کر حلق پہ شبیرؑ کے خنجر، زہراؑ — خاک پر لوٹ گئی، کوکھ پکڑ کر زہراؑ
کبھی نالاں تھی، سوے قبرِ پیمبرؐ، زہراؑ — کبھی کہتی تھی، نجف کو یہ، کھلے سَر زہراؑ
داد رَس کوئی نہیں، دیر سے چلّاتی ہوں
یا علیؑ! آؤ مدد کو، میں لُٹی جاتی ہوں

کبھی مقتل کو یہ چلاتی تھی: اکبرؑ! اکبرؑ! دیکھو خنجر کے تلے، پاؤں رگڑتا ہے پدر
استغاثہ یہ کبھی کرتی تھی، سوے لشکر: دیکھو! اے لشکریو! کٹتا ہے مہمان کا سر
دِل کو تم لوگوں کے کس طرح سکوں ہوتا ہے؟
بے گنہ ہائے! نبیؐ زادے کا خوں ہوتا ہے

کلمہ گویو! مِرے سیّد کو بچاؤ! لِلّٰہ! اے مسلمانو! کچھ اِنصاف پہ آؤ! لِلّٰلہ!
کوفیو! پانی ذبیحے کو پلاؤ! لِلّٰہ! رحم سَیدانی کے فرزند پہ کھاؤ! لِلّٰلہ!
خوں رواں زخموں سے ہے، خاک پہ اُفتادہ ہے
اے مسلمانو! تمھارا یہ نبیؐ زادہ ہے

مَسندِ ختمِ رُسلؐ، خیمے سے لاؤ کوئی! خوں بھرے جسم کو، مَسند پہ لِٹاؤ کوئی!
ہاتھ دو بغلوں میں، زخمی کو اُٹھاؤ کوئی! اِس کی خدمت کرے، زینبؑ کو بُلاؤ کوئی!
خود اِمام، اور پیمبرؐ کا نواسا ہے یہ
پانی دو! ساتویں تاریخ سے پیاسا ہے یہ

پہنچا خیمے میں جو، یہ شورِ فغانِ زہراؑ آئے دَروازے پہ سب، خُردو کلانِ زہراؑ
جب نظر رَن میں نہ آیا، دِل و جانِ زہراؑ کہا زینبؑ نے کہ مٹتا ہے نشانِ زہراؑ
امّاں کے رونے پہ اِس دم، مِرا دل پھٹتا ہے
اے نبیؐ زادیو! سیّد کا گلا کٹتا ہے

کہہ کے یہ بات، ہراساں جو ہوئی، زینبؑ زار بے تامُّل، کیا کاندھے پہ، سکینہؑ کو سوار
اور کہا، تجھ پہ میں صدقے! مرے ماں باپ نثار! دیکھ مقتل کی طرف، پونچھ کے اشک! اے دِلدار
سجدہ کرتے ہیں کہ اُمّت کو دُعا کرتے ہیں
گر کے اَب گھوڑے سے، کیا شاہِ ہُدا کرتے ہیں؟

دیکھا حیرت سے سکینہؑ نے، جو سُوئے میداں پیٹ کر سَر کو کہا: ہائے! اِمامِ دوجہاں!
بانو چلاّئی: بتا! خیر تو ہے؟ اے ناداں! رو کے چلاّئی، وہ مضطر، کہ دُہائی اَماں!
کاکلیں پکڑے، سَرِ پاکؑ لیے جاتا ہے
میرے بابا کو کوئی، ذبح کیے جاتا ہے

ناگہاں رَن میں اُٹھا غُل، وہ ہوئے قتل حسینؑ بے خطر لُوٹ لو! ملبوسِ اِمامِ کونین
خاک پر بیٹھ کے، سَیدانیاں کرنے لگیں بین منھ پہ بانو نے مَلی خاک، بصد شیون و شین
ماتمِ شاہؑ، جو بَرپا کیا، باہم سب نے
پہلے بال اپنے، پریشان کیے، زینبؑ نے

یاں تو ماتم تھا اُس سمت کو تھی عید ظفر بیٹھا تھا کُرسی زرّیں پہ تکبّر سے عُمر
گرد سردار تھے سب نذریں لیے ہاتھوں پر پر وہ کہتا تھا ابھی لُوں گا نہ نذرِ لشکر
ٹھہرو ٹھہرو میں ذرا شِمر کو خلعت دے لُوں
نذر پہلے سرِ فرزند پیمبرؐ لے لُوں

تھا یہ سَامان کہ آیا وہاں شِمرِ اکفر خنجر اک ہاتھ میں اِک ہاتھ میں شبیرؑ کا سَر
جھوم کر فخر سے کہتا تھا یہ وہ بد اختر ہے شجاعانِ عرب میں کوئی میرا ہمسر
میں نے فرزند یدُ اللہ کے سَر کو کاٹا
جس کی شمشیر نے جبریل کے پَر کو کاٹا

بادشاہِ ملک و جن و بشر کو مارا حاکم انجم و خورشید و قمر کو مارا
میں نے ہمشکل پیمبرؐ کے پدر کو مارا جس کو معراج ہوئی اس کے پسر کو مارا
سینہ شق کر کے میں زہرا کا جگر لایا ہوں
کاٹ کر پنجتن پاکؑ کا سر لایا ہوں

آفریں کہہ کے اُٹھا گرسی زرّیں سے عُمر　　اور لیا ہاتھ میں اپنے سرِ ابن حیدرؑ
سَر کی مظلومی و غربت پہ جو کی اس نے نظر　　دیکھا رُخساروں پہ اشکوں کی روانی کا اثر
شمر سے پوچھا کہ سَر جبکہ قلم ہوتا تھا
علی اکبرؑ کی جوانی پہ یہ کیا روتا تھا

وہ پکارا کہ نہیں یہ تو ہے مجکو معلوم　　ذبح کے وقت یہ کہتے تھے امامِ مظلوم
ہائے بے پردگی زینبؑ و اُمِ کلثومؑ　　شاہؑ تو روتے تھے اور کاٹتا تھا میں حلقوم
میری جلدی سے نہ شہؑ ہوش میں رہنے پائے
دِل کی دل میں رہی کچھ اور نہ کہنے پائے

سن کے اِس ظلم کو بولا پسرِ سعد لعیں　　سچ بتا رحم بھی آیا تجھے سیّد پہ کہیں
عرض کی اُس نے ترحم مِری خلقت میں نہیں　　اور جو ہوتا بھی تو جائز تھا نہ بہرِ شہِؑ دیں
نہ حیا شاہؑ سے آئی نہ مروّت آئی
ایک رُوداد پہ لیکن مجھے رقّت آئی

جب ہوا سینہ پہ اسوار نہ رحم آیا مجھے　　حلق پہ رکھی جو تلوار نہ رحم آیا مجھے
تڑپے کیا شہِؑ ابرار نہ رحم آیا مجھے　　پانی پانی کہا دو بار نہ رحم آیا مجھے
پَر ہر اِک ضرب پہ چھاتی مِری پھٹ جاتی تھی
کوئی بی بی مِرے خنجر سے لپٹ جاتی تھی

نمونۂ

کلامِ غیر منقوط

رباعی، سلام، مرثیہ

مذہبی رباعی رثائی رباعی حُرابن ریاحی

(۱)

واللہ کہ طالع رَسا حُر کو ملا
سردارؑ امامؑ دوسرا حُر کو ملا
گھر حُر کا ہوا، احمدؐ مرسل کا دل
حُور و اِرم و حُلّہ، صِلا حُر کو ملا

واللہ: اللہ کی قسم/طالع رَسا: خوش نصیبی/امامؑ دوسرا سے مراد امام حسینؑ ہیں/اِرم: جنت/حُلّہ: لباسِ جنت/صلا: انعام

مذہبی رباعی رثائی رباعی حُرابن ریاحی

(۲)

اعدا کو اُدھر حرام کا مال ملا
حُر کو اسداللہ کا اِدھر لال ملا
واللہ! کُلاہِ سرِ عالم ہوا حُر
حُلّہ ملا، معصومہؑ کا رُومال ملا

اعدا: دشمن/اسداللہ: حضرت علیؑ کا لقب (اللہ کا شیر)/واللہ: اللہ کی قسم/کلاہ: ٹوپی/حُلّہ: جنتی لباس/معصومہؑ سے مراد حضرت فاطمہؑ ہیں

سلام

مسطور اگر کمال ہو سرِ امامؑ کا
مصرع ہمارا سَرو ہو دارالسّلام کا

حاصل سرِ عمر کو مرصّع کُلاہ واہ
وردا! سرِ علم سرِ اطہرؑ امامؑ کا

اَسرارِ طالعِ عمر و حُر کا وا ہوا
داور کا وہ عدو و ہراول امامؑ کا

وہ محرم حرم کہ ہو آرامِ دردِ گُل
درد و علم ہو اُس کو دوا و طعام کا

مسطور حالِ موسمِ سرما ہو کس طرح
سرگرمِ آہ سرد رہا دل امامؑ کا

صلح و ورع، عطاو کرم، حلم و داد و عدل
واللہ! ہر عمل ہوا اطہر امامؑ کا

اس طرح محوِ حمد رہا سرورِ اُمم
اعدا کو حوصلہ ہوا مدح امامؑ کا

دردا! لہو امامِ اُمم کا حلال ہو
سہل اس طرح ہو مسئلہ امرِ حرام کا

ہر سو وہ آمد آمدِ سردارِ دوسرا
اور ہمہمہ وہ اَدہم صَرصَر لگام کا

کہرام مُلک ہوا دھوم کوہ کوہ
سوکھا لہو دلِ اسد و گرگ و دام کا

ڈر کر اُدھر کو گم ہوا غمزِ عدو کا ماہ
طالع ہوا ہلال اِدھر کو حسام کا

محرومِ گور احمدِ مرسلؐ کا لاڈلا
سردارِ دہر آہ ولد ہو حرام کا

آرامِ گور کا ہو اگر دل کو مدّعا
ہر سال و ماہ سوگ رکھا کر امامؑ کا

دردا!دلِ عمر کو ہو آرام اور سُرود
روحِ حرم کو درد ہو مرگِ امامؑ کا

ہر دم ملا حرم کو وہ درد و الم کہ آہ!
روحِ رسولؐ کو ہوا صدمہ مدام کا

سروؔر کا مدح گو ہوا ہر مصرعِ رسا
"سحرِ حلال" اسم رکھا اس کلام کا

لامعؔ ہو گر کمال عطاؔرد سرِ سما
مداح ہو گا کلکِ عطاؔرد کلام کا

لغات:

مسطور: (ع) لکھا جائے	سرو: (ف) خوبصورت مخروطی درخت جس کو قد سے تشبیہ دیتے ہیں۔	
دارالسلام: (ع) بہشت	مرصع: (ع) موتی جواہر جڑا ہوا	کلاہ: (ف) ٹوپی
دردا: (ف) افسوس	اطہر: (ع) بہت پاک	طالع: (ع) قسمت
وا: (ف) کھلنا	داور: (ف) خدا	ہراول: (ت) آگے کی فوج کا سردار
محرم حرم: (ع) حرم کا راز دار	الم: (ع) غم	طعام: (ع) غذا
آہ سرد: ٹھنڈی ہوا کے ساتھ افسوس کرنا	ورع: (ع) پرہیزگاری	حلم: (ع) نرم دلی
داد: (ف) انصاف	سرورِ امم: (ع) امت کا سردار	امرِ حرام: (ع) حرام کا کام
دوسرا: (ف) دونوں عالم	ہمہمہ: (ع) گھوڑے کی آواز	ادہم: (ع) کالا گھوڑا
صرصر: (ع) آندھی	اسد: (ع) شیر	گرگ: (ف) بھیڑیا
دام: (ف) پھندے	ماہ: (ف) مہینا	طالع: (ع) طلوع ہونا
حسام: (ع) تلوار	گور: (ف) قبر	دہر: (ف) دنیا
حرام کا: حرام زادہ	سوگ: (ف) ماتم۔ غم	روحِ حرم: (ع) اہلبیت
مدام: (ع) ہمیشہ	مصرعِ رسا: (ف) بلند مصرعہ	سحرِ حلال: (ع۔ف) فصیح اشعار: دبیر کے جد اعلیٰ شیرازی کی مشہور مثنوی کا نام
لامع: (ع) چمکنے والا۔ درخشاں	عطارد: وزیرِ فلک۔ ستارہ	سرِ سما: (ف۔ع) آسمان پر
کلک: (ف) قلم		

مرثیہ

مہرِ علم سرورِ اکرم ہوا طالع

(اس ٦٩ بند کے مرثیہ سے صرف اٹھارہ بند پیش کیے گئے ہیں)

(۱)

مہرِ علمِ سرورِ اکرم ہوا طالع
ہر ماہِ مُرادِ دلِ عالم ہوا طالع
ہر گام علمدارؑ کا ہمدم ہوا طالع
اور حاسدِ کم حوصلہ کا کم ہوا طالع

عکسِ علم و عالمِ معمور کا عالم
گہ ماہ کا گہ مہر کا گہ طور کا عالم

بعض نسخوں میں مصرع دوم اس طرح ہے۔ ''وہ مہر سوا مہر سحر کم ہوا طالع'' رمہر: سورج رسرور عالم: بخشنے والا سردار سے مراد امام حسینؑ ہیں ر طالع: (ع) طلوع ہوا رسوا: (ع) علاوہ رماہ مراد: (ف) مراد کا چاند رگام: (ف) قدم رعکس: (ع) تصویر رعالمِ معمور: (ع) آباد، جہان رگہ: کبھی

(۲)

عالم ہوا مدّاح علَمدارؑ و علم کا
وہ گُل اسدّاللہ کا وہ سُرو اِرم کا
محرم وہ حرم کا، وہ گواہ اہلِ حرم کا
رہرو وہ عدم کا وہ عصا راہِ عدم کا

مصدر وہ علمدارؑ، کرم اور عطا کا
مطلع وہ علم طالعِ مسعود ہما کا

سرو ارم: بہشت کا مخروطی درخت جس کو قد سے تشبیہ دیتے ہیں رمحرم: (ع) رازدار رراہِ عدم: (ف) آخرت کا راستہ رمصدر: (ع) بنیاد ر مطلع: (ع) افق رطالع: (ع) قسمت والا رمسعود: (ع) خوش نصیب رہما: خیالی پرندہ اس کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ جس کے سر پر بیٹھتا ہے، وہ بادشاہ بن جاتا ہے۔

(۳)

مردم کو ملا سرمۂ گردِ سُم راہوار
رہوار ہماوار، علمدارؑ ملک وار
کُل محوِ علم اور علم محوِ علمدارؑ
اللہ مددگار، اسدؑاللہ مددگار

دل سرد اسد کا ہوا سُم گاؤ کا سرکا
ہمدرد ہوا دردِ دلِ و روحِ عمر کا

یہ بند ''نادرات مرزا دبیر'' میں دو بار شائع ہوا۔ صرف ایک مصرع جداگانہ ہے

مردم: (ف) لوگ۔ سم: (ف) کھر۔ رہوار: (ف) گھوڑا۔ سم گاؤ: (ف) گائے کی سم (قدیم خیال کے مطابق وہ گائے جس کے ایک سینگ پر زمیں رکھی ہوئی ہے

(۴)

ہر گام دعا کو ملک و حور سرِ راہ
اللّٰہ مَعَکَ صلِّ علا، سلّمک الله
ہمراہ رسولِؐ دوسرا اور اسدؑاللہ
اور وِرد کہہ و مہ کا اِدھر آہ اُدھر واہ!

ہر سُو ہوا کہرام کہ سرگرمِ دعا ہو
اور روحِ گروہِ عمرِ سعد ہَوا ہو

گام: قدم۔ اللہ معک: اللہ تیرے ساتھ ہے۔ صل علا: درود بھیجا۔ سلمک اللہ: (ع) اللہ تمھیں سلامتی دے۔ ورد: (ع) بار بار پڑھنا۔
مہ: (ف) چاند۔ سرگرم ہونا (محاورہ): مصروف ہونا۔ ہوا ہونا (محاورہ): بھاگنا

(۵)

اُس دم ہوا سرگرمِ صدا طالعِ مولاؑ
او مرگ! اِدھر آ! عمرِ سعد کا سرلا
اور عہد علم کر! علمِ سرورِؑ والا
اور دور گرا ہر علمِ طالعِ اعدا

او مہر! دکھا گورِ مہِ عُمرِ عَمر کو
او گردِ عدم! روک رہِ عُمرِ عَمر کو

سرگرم صدا: (ف) آواز دینا او: اے عہد: (ع) زمانے علم کرنا: بلند کرنا۔ طالع اعدا (ع) دشمنوں کی قسمتیں مہِ عمر: عمر کے مہینے/ عدم: مرنے کے بعد جانے کی جگہ/ رہ عمر کو روکنا: موت آنا۔

(۶)

او مہر سِوا سال و مہِ عُمر حرم کر!
اِلّا مہ و سالِ عُمرِ سعد کو کم کر!
اور ماہِ سرِ اہلِ وِلا! مہر و کرم کر!
اور گم، سرِ ہر حاسدِ سردارِؑ اُمم کر!

اُو کِلکِ عطاؔرد سوے مولاؑ ہو کمک کر
ہر اسم گروہِ عمرِ سعد کا حک کر

مہر: (ف) سورج/ سوا: (ع) سوائے/ سال و مہ: (ف) سال اور مہینے/ الا: (ع) لیکن/ ماہ: چاند/ مہر و کرم: (ف) محبت اور بخشش
کلک: (ف) قلم/ عطارد: دبیر، تخلص۔ حک: کھرچنا

(۷)

رہوار کو ہر لطمہ ہَوا کا ہُوا کوڑا
اُڑ کر ہُوا طاؤس علمدارؑ کا گھوڑا
اور ساعدِ صَرصَر کو دم کاوہ مروڑا
اس طور مڑا گرم کہ رُو مہر کا موڑا

سو گام اُڑا ادہم صَرصَر کو گھرک کر
رہوار ہُوا گردِ ہَوا دور سرک کر

رہوا: (ف) گھوڑا/لطمہ: (ع) طمانچہ/طاؤس: (ع) مور/ساعد: (ع) کلائی/صَرصَر: (ع) آندھی/دم کاوہ: گھوڑے کو اس طرح چکر دینا کہ اس کے قدموں کے نشان سے زمین پر ایک دائرہ بن جائے/مروڑا: پیچ و تاب/ادہم: (ع) کالا گھوڑا۔گھرک: ڈانٹنا

(۸)

عکس دمِ رہوار سرِ راہ ہوا دام
ہر دام و دد وگرگ و اسد اُس کا ہوا رام
اِلّا دلِ اعدا کو ملا درد ہر اک گام
رم کردۂ صحرا ہوا ہر آہوے آرام

ہر سُور گرا اور کہا: مرگ ہو حاصل
دِل گردہ وہ کس کا کہ ہو اس صدمہ کا حامل

دام: (ف) فریب، دھوکا/ ہر دام و دد دود: (ف) چرند و درند/گرگ: (ف) بھیڑیا/اسد: (ع) شیر/الّا: (ع) لیکن/رم کردہ: (ف) وحشت زدہ/ آہو: (ف) ہرن/ہر سو: (ف) چار طرف/دل گردہ ہونا (محاورہ): ہمت ہونا

(۹)

لو سامعوالحال! سلام اور دعا ہو
دل محوِ علمدارِ رسولؐ دوسرا ہو
اور صلِّ علا، صلِّ علا، صلِّ علا ہو
مدّاحِ علمدارؑ کا ادراک سوا ہو

واللہ! اگر مدحِ علمدارؑ ادا ہو
مدّاح کا حور و ارم وحُلّہ، صلہ ہو

سامعوالحال: (ع) موجودہ سننے والو/محو: (ع) عاشق، فریفتہ ہونا/صلِّ علیٰ: درود بھیجنا/ادراک: (ع) پانا، دریافت کرنا/مسطور: (ع) لکھا جائے
روداد: (ف) کیفیت/رسول: (ع) اداس/حُلّہ: (ع) بہشتی لباس/صلہ: (ع) انعام

(۱۰)

وہ مطلعِ اَسرارِ کمالِ اسدؔاللہ
آرام و سرورِ دلِ آلِ اسدؔاللہ
ممدوحِ مہ و مہرِ ہلالِ اسدؔاللہ
واللہ! مَلال اس کا ملالِ اسدؔاللہ [۱]

محکوم وہ اللہ کا، حاکم وہ اِرم کا
حامل وہ علم کا، وہ مددگار حرم کا

[۱] متبادل مصرع یوں ہے = ع: دل سرد مگر گرم وصالِ اسدؔاللہ

مطلعِ اَسرار: (ع) رازوں کا چہرہ/کمال اسد اللہ سے مراد یہاں حضرت عباسؑ ہیں/ممدوح: (ع) جس کی تعریف کی جائے/
مہ مہر: (ف) چاند اور سورج/ہلال: (ع) نیا چاند/ملال: (ع) غم/محکوم: (ع) تابع/وصال: (ع) ملاقات

(۱۱)

ا وہ اصلِ طلسمِ حکما، سحرِ ارسطو
دُلدُل عمل و حورِ کمال اور ملک رو
سرِ کوہ و کمر لالہ و دُم سرو وسُم آہو
اور دامِ ہما طرّہَ رہوار کا ہر مو

محکوم وہ اَسوار کا، حاکم وہ ہما کا
رہوار علمدارؑ کا، اَسوار ہوا کا

ا ''نادراتِ مرزا دبیرؔ'' میں یہ مصرع یوں ہے: اسم اس کا طلسمِ حکما، سحرِ ارسطو

طلسم: (ع) جادو رحکما: (ع) فلاسفر رسحر: (ع) جادو رذُلدُل: (ع) ذوالجناح ردامِ ہما: ہما کا جال رمحکوم: (ع) مطیع راسوار: (ف) سواری پر بیٹھنے والا۔

(۱۲)

ہر گاہ ہوا معرکہ آرا وہ علمدارؑ
اس طرح کہا: او عمر حاسد و مکّار!
ہو کر کلمہ گو، ہوا ملحد کا ہم اطوار
دردِ دلِ احمدؐ کا ہوا، آہ! روا دار

ہمدم کو، ہر اول کو، مددگار کو مارا
ا دامادِ امامؑ مَلک اطوار کو مارا

ا ''بدرِ کامل'' میں یوں ہے: اولادِ امامِ ملک اطوار کو مارا

گاہ: (ف) وقت رمعرکہ آرا: (ف) لڑتا رملحد: (ع) بے دین رہم اطوار: جیسا رروادار: جائز رکھنا رہراول: (ت) آگے کی فوج کا سردار

(۱۳)

وہ سَم، وہ غسل اور وہ ہول اور دلاسا
وہ سحر، وہ اَسرار الٰہِ دوسرا کا
وہ مرگ، وہ غم اور وہ درد اور وہ مداوا
وہ دار، وہ سرو اور وہ کاہ اور وہ لالا

وہ ہالۂ حرص اور وہ مہِ کاملِ احمدؐ
وہ سُکرِ حرام اور وہ سُرورِ دِلِ احمدؐ

سَم: زہر/ غسل: شہد/ ہول: خوف/ اسرار: راز/ دوسرا: (ف) دوجہاں/ مداوا: (ع) علاج/ دار: (ف) پھانسی کی لکڑی/ سرو: (ف) مخروطی درخت/ کاہ: (ف) گھاس/ لالا: (ف) سرخ پھول/ ہالہ حرص: حرص کا دائرہ/ سکر: نشہ/ سرور: خوشی

(۱۴)

محرومِ طعام، آہ! محمدؐ کا وَلد ہو
آوارۂ صحرا اسدؔاللہ کا اسد ہو
محصورِ الم مالکِ سرکارِ اَحد ہو
اور کودکِ معصومؑ کا گہوارہ لحد ہو

عالم کا رہا کام رَوا ماہِ محرّم
سرورؑ کو مہِ صوم ہوا ماہِ محرّم

ولد: (ع) بیٹا/ اسد: (ع) شیر/ محصور: (ع) گھرا ہوا/ الم: (ع) غم/ کودک: (ف) چھوٹا لڑکا، بچہ/ روا: (ف) جائز/ مہِ صوم: (ع) روزوں کا مہینا

(۱۵)

ہر گاہ ارادہ ہوا اَسوار کا گھر کو
رہوار اُڑا اُس کا دہل کر کہ کدھر کو
صمصام کا اک وار ملا کاسۂ سر کو
آدھا وہ اِدھر کو گرا، آدھا وہ اُدھر کو

دل سہما لہو سہم کر اسوار کا سوکھا
لوہا رہا صمصامِ علمدارؑ کا روکھا

ہرگاہ: (ف) ہر وقت / رہوار: (ف) گھوڑا / صمصام: (ع) تیز تلوار / کاسۂ سر: کھوپڑی / سہما: ڈرا / سوکھا: خشک

(۱۶)

صمصامِ علمدارؑ کے احکام عُمر کو
اُو کور! درِ گور کھلا کھول کمر کو
رہوار کا اعلام اِدھر اور اُدھر کو
عادل کا ہوا دور، ڈرو دُور ہو، سرکو

صمصام کا محصول، سرِ معرکہ سَر دو!
سَر دو دمِ صمصام کو اور اسلحہ دھر دو!

صمصام: تیز تلوار / کور: اندھے / در گور: (ف) قبر کا دروازہ / رہوار: (ف) گھوڑا / اعلام: (ع) خبر دینا / محصول: (ع) ٹیکس / اسلحہ: (ع) ہتھیار / دھر دو: (ھ) زمین پر ہتھیار ڈال دو

(۱۷)

دلدار کو مڑ کر کہا آگاہ ہو آگاہ
دردا کہ علَم احمدِؐ مرسل کا گرا، آہ!
دلدار رکھو سوگ علمدارؑ کا لِلّٰہ!
ساحل کا ارادہ کرو اور ہم کو لو ہمراہ

سردار کا سر کھول دو! عمامہ گرا دو!
اور مردہ علمدارؑ دلاور کا دکھا دو!

دلدار سے مراد حضرت علی اکبر ہیں، آگاہ: (ف) باخبر، دردا: (ف) افسوس

(۱۸)

ہمراہِ امامِ اُمم، اُس دم ہوا دلدار
اور رہروِ ساحل ہوا وہ کُل کا مددگار
سو درد اور اِک روحِ امامِ ملک اطوار
اور ورد علمدارؑ علمدارؑ علمدارؑ

ہر گام صدا، آہ! مددگار کدھر ہو؟
آگہ کرو لِلّٰہ! علمدارؑ کدھر ہو؟

امامِ اُمم: (ع) امتوں کے امام، امت سے مراد امام حسینؑ ہیں، ملک اطوار: فرشتہ صفت

کتابیات

آبِ حیات	مولانا محمد حسین آزاد	رام نرائن بنی مادھو، الہ آباد، ۱۹۶۳ء
ابواب المصائب	مرزا سلامت علی دبیر	مطبع یوسفی، دہلی، ۱۸۷۶ء
اُسلوب	عابد علی عابد	اسرار کریمی پریس، الہ آباد، ۱۹۷۶ء
اُردو مرثیے میں مرزا دبیر کا مقام	ڈاکٹر مظفر حسن ملک	مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۶ء
انیس شناسی	ڈاکٹر گوپی چند نارنگ	گلوب آفسٹ پریس، دہلی، ۱۹۸۱ء
اردو مرثیے کا ارتقا	ڈاکٹر مسیح الزماں	دلی پرنٹنگ پریس، الہ آباد، ۱۹۶۹ء
اُردو رباعی	ڈاکٹر فرمان فتح پوری	مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۳ء
انتخابِ مراثی دبیر		رام نارائن، الہ آباد، ۱۹۶۳ء
المیزان	سید نظیر الحسن رضوی فوق	مطبع فیض عام، علی گڑھ، ۱۹۱۶ء
انتخاب مراثی دبیر	ڈاکٹر اکبر حیدری	اتر پردیش اُردو اکیڈمی، لکھنؤ، ۱۹۸۰ء
اُردو مرثیے کے پانچ سو سال	عبدالروف عروج	کراچی، ۱۹۶۱ء
باقیاتِ دبیر	ڈاکٹر اکبر حیدری	مرزا پبلشرز، حسن آباد، سری نگر، ۱۹۹۳ء
پیمبرانِ سخن	شاد عظیم آبادی	لاہور، ۱۹۷۳ء
تفہیم البلاغت	وہاب اشرفی	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۳ء
تلاشِ دبیر	کاظم علی خان	لکھنؤ، ۱۹۷۹ء
دبستانِ دبیر	ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی	نسیم بک ڈپو، لکھنؤ، ۱۹۶۶ء
دربارِ حسین	افضل حسین ثابت لکھنوی	مطبع اثنا عشری، دہلی، ۱۳۳۸ھ
حیاتِ دبیر حصۂ اوّل	افضل حسین ثابت لکھنوی	مطبع سیوک سٹیم پریس، لاہور، ۱۹۱۳ء
حیاتِ دبیر حصۂ دوم	افضل حسین ثابت لکھنوی	مطبع سیوک سٹیم پریس، لاہور، ۱۹۱۵ء
دفترِ ماتم، جلد اوّل تا جلد بستم	از دبیر	مطبع احمدی، لکھنؤ، ۱۸۹۶ء، ۱۸۹۷ء
دفترِ دبیر	ڈاکٹر ہلال نقوی	محمدی ایجوکیشن پبلشرز، کراچی، ۱۹۹۵ء

رزم نامۂ دبیر	سرفراز حسین خبیر لکھنوی	نسیم بک ڈپو، لکھنؤ، ١٩٥٤ء
رزم نگاران کربلا	ڈاکٹر سید صفدر حسین صفدر	ندرت پرنٹرز، لاہور، ١٩٧٧ء
رباعیات دبیر	مرتب: سید سرفراز حسین خبیر لکھنوی	نظامی پریس، لکھنؤ، ١٩٥٢ء
اُردو رباعیات	ڈاکٹر سلام سندیلوی	نسیم بک ڈپو، لکھنؤ، ١٩٦٢ء
سبع مثانی	مرتب سید سرفراز حسین خبیر لکھنوی	نظامی پریس، لکھنؤ، ١٣٣٩ھ
"رسالہ سرفراز" لکھنؤ دبیر نمبر	مرتب کاظم علی خان	سرفراز قومی پریس، لکھنؤ، ١٩٧٥ء
شعار دبیر	مرتب مہذب لکھنوی	یونائیٹڈ پریس، لکھنؤ، ١٩٥١ء
شاعر اعظم مرزا دبیر	پروفیسر اکبر حیدری	اردو پبلشرز، لکھنؤ، ١٩٧٦ء
شمس الضحیٰ	مولوی صفدر حسین	مطبع اثنا عشری، دہلی، ١٢٩٨ھ
ماہ نامہ "کتاب نما" دبیر نمبر	مرتب: عبدالقوی دسنوی	مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ١٩٧٥ء
کاشف الحقائق جلد اوّل	امداد امام اثر	مطبع اسٹار آف انڈیا، ١٨٩٧ء
کاشف الحقائق جلد دوم	امداد امام اثر	مکتبۂ معین الادب، لاہور، ١٩٥٦ء
فسانۂ عجائب	رجب علی بیگ سرور	سنگم پبلشرز، الہ آباد، ١٩٦٩ء
مرزا دبیر اور ان کی مرثیہ نگاری	ڈاکٹر نفیس فاطمہ	لیتھو پریس، پٹنہ، ١٩٨٧ء
مراثی دبیر، جلد اوّل	مرزا دبیر	نول کشور پریس، لکھنؤ، ١٨٧٥ء
مراثی دبیر، جلد دوم	مرزا دبیر	نول کشور پریس، لکھنؤ، ١٨٧٦ء
ماہ کامل	مہذب لکھنوی	سرفراز قومی پریس، لکھنؤ، ١٩٦١ء
مرزا دبیر کی مرثیہ نگاری	ایس اے صدیقی	راحت پریس، دیوبند، ١٩٨٠ء
مرزا سلامت علی دبیر	ڈاکٹر محمد زمان آزردہ	مرزا پبلشرز، حسن آباد، سری نگر، ١٩٨٥ء
ماہ نام، راول پنڈی، دبیر نمبر	مدیر فضل قدیر	راولپنڈی، ١٩٧٥ء
موازنۂ انیس و دبیر از شبلی نعمانی	ڈاکٹر فضل امام	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ١٩٨٨ء
نادرات مرزا دبیر	ڈاکٹر صفدر حسین	چمن بک ڈپو، دہلی، ١٩٧٧ء
واقعات انیس	سید مہدی حسن احسن لکھنوی	مطبع اصح المطابع، لکھنؤ، ١٩٠٨ء
یادگار انیس	میر احمد علوی	سرفراز پریس، لکھنؤ، ١٩٥٧ء

تصحیح نامہ (مجتہد نظم مرزا دبیرؔ)

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۱۴	۱	لطفیہ	لطیفہ
۱۴	۱۹	ے ہمہ	اے ہمہ
۱۹	۱۱	پنج گوشیہ	پنج گوشیہ
۲۳	۹	پیغمبران سخن	پیمبران سخن
۲۷	۹	واللہ کہ یہ	واللہ یہ
۳۲	۱۷	ورنہ حوالے کر دیتے	ورنہ کاتب کے حوالے کر دیتے
۳۳	۱۷	انجیل مسیح لب شبیرؑ ہے	انجیل مسیح لب شبیرؑ ہیں عباسؑ
۳۵	۴	جب ان میں	جب رن میں
۳۵	۲۱	گھر بار ہے ان میں	گھر بار ہے ان میں
۳۶	۷	مراثی اقطعات	مراثی مخمسات قطعات
۳۷	۲۱	چہ گونہ ایں ضعف	چہ گونہ ایں صفت
۴۴	۱۵	ولا	ولا
۵۳	۱۶	تعداد ۱۳۰ ہے	تعداد ۱۳۳ ہے
۵۳	۱۷	کل مطبوعہ سلام ۱۳۱ ہے	کل مطبوعہ سلام ۱۳۳ ہے
۵۴	۵	دبیرؔ کے سینتالیس ۴۷	دبیرؔ کے انچاس ۴۹
۵۵	۱۹	دبیرؔ کے سلام = ۶۳	دبیرؔ کے سلام = ۶۶
۵۵	۲۲	تضمیکیا	تضمین کیا
۵۵	۲۳	131=1+24+63+43	131=1+24+63+43
۵۷	۴	دبیر کی رباعیات میں ۱۳۵۰	دبیر کی رباعیات میں ۱۳۳۲
۶۴	۹	ہر ایک شادمان	ہر ایک شادماں
۶۵	آخری سطر	الہ ۱۲۹۱ ہجری است	الہ آباد است (۱۲۹۱ ہجری)

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلط	صحیح
۷۳	۱۳	صنعت منقوط	صنعت غیر منقوط
۸۹	۱۱	گیارہوے پیغمبر	گیارہوے پیمبر
۹۰	۶	بے سیایاے	سایائے
۹۰	۱۲	ہر مشکل	ہر شکل
۹۱	آخری سطر	سریع البصیر	سریع المسیر
۹۹	۷	فلسفانہ رباعی	قطعہ
۱۰۸	۷	گھٹا	گھٹتا
۱۳۳	۷	دیر حرم ہے	وہ دیار اور یہ حرم ہے
۱۳۳	۷	میان سنام	میان نیام
۱۳۳	۲	اربعین کے سوگوار	اربعیں کے سوگوارو
۱۳۹	۲	جب پریشان	جب پریشاں
۱۴۳	۵	گیارہ اماموں	گیارہ امام
۱۴۶	۳	ہوے نداں	ہوے ناداں
۱۵۵	۷	افوس	افسوس
۱۵۵	۱۳	مرمر	صرصر
۱۶۷	۱۸	مطبع اثنا عشری	مطبع اثنا عشری
۱۶۸	۲۰	ماہ نام	ماہ نو



یہ امر انتہائی ملال انگیز ہے کہ اردو زبان و ادب کے بیشتر ناقدین نے مرزا سلامت علی دبیرؔ کی شخصیت و فن پر سنجیدگی سے کام کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ شبلی اور ان کے حواریوں نے مرزا دبیرؔ کے محاسن پر پردہ ڈال کر اپنے تئیں ان کے عیوب کی جی بھر کے تشہیر کی۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم ایک بہت بڑے شاعر کی حقیقی تفہیم سے محروم رہ گئے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ دبیرؔ کو جدید تناظر میں سمجھا اور پرکھا جائے اور ان کے مرتبے کا بار دگر تعین کیا جائے۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی صاحب اس لحاظ سے مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے "مجتہد نظم مرزا دبیرؔ" لکھ کر نہ صرف مرزا دبیرؔ کی حیات، شخصیت اور فن کے نئے نئے گوشوں سے قارئین کو آگاہ کیا ہے بلکہ انہوں نے دبیرؔ فہمی اور دبیرؔ شناسی کے حوالے سے بعض اہم اور قابل قدر نکات اجاگر کیے ہیں۔

(ڈاکٹر) سیّد شبیہ الحسن

۱۰۔فروری ۲۰۰۳ء

۲۵۳۔الف

رحمان پورہ، اچھرہ لاہور، پاکستان

اظہار سنز اردو بازار، لاہور، پاکستان